ماہنامہ
جہد حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

HRCP

Monthly JEHD-E-HAQ - November 2020 - Registered No. CPL-13 (قیمت10روپے) جلد نمبر27......شمارہ نمبر 11 ...... نومبر2020

سزائے موت نظامِ انصاف پر سیاہ دھبہ ہے

انسانی حقوق کے عالمی دن

نومبر

2 نومبر	صحافیوں کے خلاف جرائم کے حوالے سے سزا سے استثنٰی کے خاتمے کا عالمی دن
6 نومبر	جنگ اور مسلح تنازعات کے دوران ماحول کو نقصان پہنچانے کی ممانعت کا عالمی دن
10 نومبر	امن اور ترقی کے لیے سائنس کا عالمی دن
14 نومبر	ذیابیطس کا عالمی دن
16 نومبر	رواداری کا عالمی دن
16 نومبر (نومبر کا تیسرا اتوار)	ٹریفک حادثات کے متاثرین کی یاد منانے کا عالمی دن
19 نومبر	بیت الخلاء کا عالمی دن
20 نومبر	بچوں کا عالمی دن
20 نومبر (نومبر کی تیسری جمعرات)	فلسفے کا عالمی دن
21 نومبر	ٹیلی ویژن کا عالمی دن
22 نومبر	صنعت کاری کا عالمی دن
25 نومبر	خواتین کے خلاف تشدد کے خاتمے کا عالمی دن
29 نومبر	فلسطینی عوام سے اظہار یکجہتی کا عالمی دن

فہرست

پریس ریلیزیں	03
کال کوٹھڑی کی تین داستانیں	05
استحصال کا خاتمہ	12
فیکٹ فائنڈنگ مشنوں سے متعلق رہنماء اصول	14
عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے قوانین	16
سکول میں اساتذہ کی کمی	20
خواجہ سراؤں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے	21

اجتماع کی آزادی: ایک حق ہے، نہ کہ کوئی خاص رعایت

اگرچہ گوجرانوالہ میں پاکستان ڈیموکریٹک موومنٹ (پی ڈی ایم) کی سیاسی ریلی کے دوران پُرامن اجتماع کی آزادی کے حق کی کھلی خلاف ورزیاں دیکھنے میں نہیں آئیں مگر ریلی سے پہلے ملنے والی ایسی اطلاعات ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کے لیے پریشانی کا سبب تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ ریاست نے اِس حق کو محدود کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایچ آر سی پی کے ذرائع نے بتایا ہے کہ انتظامیہ اور نجی شہریوں کی جانب سے کچھ سیاسی کارکنان اور ریلی کے منتظمین کو ہراساں یا گرفتار کیا گیا، اُن کے گھروں پر چھاپے مارے گئے، کارنر میٹنگوں کو مُنتشر کیا گیا اور پوسٹرز اور ہورڈنگز کو ہٹایا گیا۔

16 اکتوبر کو، ایچ آر سی پی کی تین ٹیموں نے لاہور اور لالہ موسیٰ سے گوجرانوالہ تک ریلی کا مشاہدہ کیا۔ ٹیموں نے روانگی کے کسی مقام یا گوجرانوالہ میں داخلے کے وقت انتظامیہ کی طرف سے کسی قسم کی بڑی رکاوٹوں کا مشاہدہ نہیں کیا۔ روانگی کے مقامات پر پولیس کی موجودگی حد سے زیادہ نہیں تھی اور ٹیموں کو ان مقامات پر سیاسی کارکنوں کے کام میں پولیس کی واضح دخل اندازی کے شواہد نہیں ملے۔

البتہ، بعض مقامات پر نصب کی گئی رکاوٹیں، خاص طور پر گوجرانوالہ کی طرف جانے والے چھوٹے قصبوں میں، واضح طور پر جی ٹی روڈ پر لوگوں کے بہاؤ کو روکنے کے لیے لگائی گئی تھیں اور اُن کا مقصد لوگوں کو مرکزی ریلی کا حصہ بننے سے روکنا تھا۔ گوجرانوالہ میں بھی، ریلی کے مقام سے کئی میل دور جناح سٹیڈیم کی طرف جانے والے کئی داخلی مقامات کو بند کر دیا گیا تھا، جس کے باعث صرف پیدل چلنے والوں کے لیے ہی آگے جانا ممکن تھا۔ شاید اس اقدام کا مقصد شرکاء کو ممکنہ حد تک زیادہ سے زیادہ تکلیف سے دوچار کرنا تھا۔ شام کے وقت، شہر کے اِردگرد ریلی کے مقام کی طرف جانے والے راستوں پر رکاوٹیں کم کر دی گئی تھیں، غالباً انتظامیہ کو جاری ہونے والے مقامی عدالت کے احکامات کی وجہ سے۔

ایچ آر سی پی حکومت کو باور کرانا چاہتا ہے کہ پُرامن اجتماع ایک حق ہے جس کی آئین میں ضمانت دی گئی ہے، نہ کہ کوئی خاص رعایت جو کہ موجودہ حکومت کی صوابدید پر عطا کی جاتی ہے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 17 اکتوبر 2020]

حکومت کو پُرامن اجتماع کی آزادی کے تحفظ کا مظاہرہ کرنا ہوگا

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے 16 اکتوبر کو گوجرانوالہ میں پاکستان ڈیموکریٹک موومنٹ (پی ڈی ایم) کی ریلی کی مانیٹرنگ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ انسانی حقوق کے خودمختار اور غیر جانبدار ادارے کی حیثیت سے، ایچ آر سی پی کے اِس اقدام کا مقصد اِس امر کو یقینی بنانا ہے کہ ریاست تمام شہریوں کے پُرامن اجتماع کی آزادی کے حق کا احترام وتحفظ کرے۔ جس کی ضمانت انہیں دستورِ پاکستان کے آرٹیکل 16 اور شہری وسیاسی حقوق کے عالمی میثاق (آئی سی سی پی آر) جس کا پاکستان فریق ہے، کے آرٹیکل 21 میں دی گئی ہے۔

ایچ آر سی پی کی رائے میں، پُرامن اجتماع کی آزادی کی حفاظت پر ریاست کی آمادگی سے ہی جمہوریت، تنوع اور سماجی تبدیلی کے لیے اِس کے عزم کا عملی مظاہرہ ہوسکتا ہے۔ اگر پاکستان کو سول سوسائٹی کے لیے سکڑتی فضا کو کشادہ کرنا ہے تو اِس کے لیے نہایت ضروری ہے کہ ملک کے ہر حصے میں آباد شہری اجتماعی طور پر اپنی سیاسی آراء کا اظہار کر سکیں اور سماج میں غالب آراء کو بلاخوف وخطر چیلنج کرسکیں۔

ایچ آر سی پی توقع کرتا ہے کہ ریلی کے منتظمین اور شرکاء اور ریلی کی کوریج کرنے والے ذرائع ابلاغ پر جابرانہ پابندیاں نہیں لگائی جائیں گی۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 12 اکتوبر 2020]

ایچ آر سی پی کا آئی اے رحمٰن

ریسرچ گرانٹ کا اعلان

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے اعلان کیا ہے کہ یہ انسانی حقوق کے نامور دفاع کار، صحافی اور کمیشن کے سابق سیکریٹری جنرل کے اعزاز میں آئی اے رحمٰن گرانٹ کا آغاز کررہا ہے۔ ایچ آر سی پی پاکستان میں انسانی حقوق کے کسی بھی شعبے جیسے کہ شہری، سیاسی، معاشی، سماجی، ثقافتی، یا ماحولیاتی میدان میں تحقیق کرنے والے معلم، صحافی، یا انسانی حقوق کے دفاع کار یا پیشہ ور کو 350,000 روپے کی ایک گرانٹ فراہم کرے گا۔

پاکستانی شہری اور غیر ملکی شہریت رکھنے والے پاکستانی دونوں یہ گرانٹ حاصل کرسکتے ہیں۔ ایک آزاد کمیٹی منتخب شدہ درخواستوں کا جائزہ لے گی جس کے بعد گرانٹ کے لیے منتخب کیے گئے حتمی نام کا اعلان کیا جائے گا۔

ایچ آر سی پی امید کرتا ہے کہ اس گرانٹ کے ذریعے پاکستان میں انسانی حقوق پر تحقیق کی وسعت میں اضافہ ہوگا۔ ایچ آر سی پی تحقیقی دستاویز انگریزی اور اردو میں شائع کرنے کے بعد پالیسی سازوں، انسانی حقوق کے دفاع کاروں، معلموں اور میڈیا کو فراہم کرے گا۔

درخواست سے متعلق معلومات

http://hrcp-web.org/hrcpweb/join-us/other-opportunities/. پر دستیاب ہیں۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 13 اکتوبر 2020]

پیمرا کا حکمنامہ قابلِ مذمت ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے پیمرا کے حالیہ حکمنامے کو انتہائی تشویشناک قرار دیا ہے جس میں ذرائع ابلاغ کو 'اشتہاری مجرموں اور مفرور ملزمان' کے انٹرویوز اور عوامی خطابات کو نشر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

یہ اقدام نہ صرف شہریوں کے حقِ اظہار کی خلاف ورزی کرتا ہے جو انہیں آئین کی شق 19 کے تحت حاصل ہے، بلکہ عوام کے جاننے کے حق کے بھی منافی ہے۔ ایچ آر سی پی کے خیال میں ایسے حکمنامے ان لوگوں کی طرف سے جابرانہ سنسر شپ کی عکاسی کرتے ہیں جو ایک خاص حالت میں اِس کی وکالت کرتے ہیں جب اِس سے اِنہیں کچھ حاصل ہو رہا ہو اور اِس سے اِس وقت لاتعلق ہو جاتے ہیں جب یہ اِن کے لیے لاحاصل ہو۔

اِس حکمنامے کا حزبِ اختلاف کے رہنما میاں نواز شریف کی تقریر جس میں اُنہوں نے 2018 کے انتخابات کی شفافیت پر سوالات اٹھائے، کے فوری بعد صادر ہونا ظاہر کرتا ہے کہ پیمرا ایک غیر جانبدار اور خودمختار انضباطی ادارے کی بجائے سیاسی مفاد کے حصول کا آلہ بن چکا ہے۔ یہ یاد کروانا ضروری ہے کہ پیمرا نے سابق صدر پرویز مشرف کے بیانات کی نشریات پر پابندی عائد نہیں کی تھی حالانکہ وہ بھی اشتہاری مجرم ہیں۔

ایچ آر سی پی پاکستان میں بڑھتی ہوئی سنسر شپ کی تسلسل سے نشاندہی کر رہا ہے، جبکہ حکومت کا دعویٰ ہے کہ صحافت ملک میں اِتنی کبھی آزاد نہیں رہی جتنی اب آزاد ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ یہ حکمنامہ فوری طور پر واپس لیا جائے اور حکومت سنسر شپ کو اِس فاشسٹ انداز میں اور قوت بخشنے سے گریز کرے۔

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔ جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کرکے بذریعہ ڈاک روانہ کرسکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کرکے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

کال کوٹھڑی کی تین داستانیں

جسٹس پراجیکٹ پاکستان (جے پی پی) کی رپورٹ پاکستان میں سزائے موت: ایک تنقیدی جائزہ

(The Death Penality In Pakistan: A Critical Review)

کے ایک باب کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے جو سزائے موت کے اُن قیدیوں کی دلخراش داستانوں پر مشتمل ہے جو کئی برس جیل کی کال کوٹھڑی میں پابند سلاسل رہے اور ریاست کے فرسودہ نظامِ انصاف کا نشانہ بنتے رہے۔

صفیر

میں 1979 میں ایک خوشیوں بھرے گھرانے میں پیدا ہوا۔ میرا بچپن بہت خوشگوار تھا۔ میرے پانچ بھائی بہنیں ہیں۔ میرے والد پھلوں کا کاروبار کرتے تھے۔ وہ باغ ٹھیکے پر لیتے اور اُس میں سے پھل اُتار کر بیچتے تھے۔ ہم انتہائی عاجز زندگی بسر کر رہے تھے۔ ہمارے پاس ضروریاتِ زندگی کی سب چیزیں تھیں۔ مجھے فٹبال کھیلنے کا بہت شوق تھا اور میں اب بھی ٹی وی پر میچ دیکھتا ہوں۔ میری بچگانہ عادتوں کی وجہ سے میری ماں مجھے بھولا (پنجابی: معصوم) کہتی تھی۔ اسکول میں میری کارکردگی اچھی تھی اور میرے والدین مجھے اور اچھا پڑھنے لکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ میں نے 1993 میں اسکول چھوڑ دیا کیونکہ میں اپنی پڑھائی جاری نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد میں نے کاروں کی مرمت کی ورکشاپ میں کام کرنا شروع کر دیا۔

18 جولائی 2001 ایک اور معمول کا دن تھا جس دن قتل ہوا۔ مجھے اُس بدقسمت دن کے متعلق تفصیلات کا آج تک پتہ نہیں چل سکا۔ میرا جرم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ مجھے یہ بھی پتہ نہیں کہ اِس کا محرک کیا تھا مگر مجھے اتنا پتہ ہے کہ وہ قتل ایک جھگڑے کے نتیجے میں ہوا تھا۔

مجھے مقدمے میں ملوث کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ملزم تنویر میرا دوست تھا۔ تنویر نے پولیس کو بتایا کہ میں قتل میں ملوث تھا۔ کل پانچ لوگوں پر مقدمہ درج ہوا تھا جن میں تنویر، مَیں، مقتول کی بیوی کائنات، خالد اور جنید شامل ہیں۔ ہم پر کائنات کے ساتھ ناجائز تعلقات استوار کرنے اور اُس کے خاوند کو قتل کرنے کا الزام تھا۔ مجھے مقدمے میں اس لیے ملوث کیا گیا تاکہ دوسرے ملزمان قتل کا ذمہ دار مجھے ٹھہرا سکیں۔ چنانچہ اُن میں سے مَیں ہی ہوں جس کے خلاف تحقیقات کی گئیں اور جس پر تشدد کیا گیا۔

وقوعے کے دو دن بعد، پولیس نے میرے گھر پر چھاپہ مارا۔ مَیں ایک معصوم شخص ہوں جس نے کبھی کسی کو تکلیف نہیں دی۔ میں ڈر گیا تھا۔ میں ایک رشتہ دار کے گھر بھاگ گیا مگر وہاں سے گرفتار ہوگیا۔ میں دو دن تک اُن کی تحویل میں رہا جس دوران مجھے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ پولیس چاہتی تھی کہ مَیں قتل کا اعتراف کروں مگر مَیں نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ اُنہوں نے مزید جسمانی ریمانڈ نہ لیا کیونکہ میری گرفتاری سے قبل نعش برآمد ہوگئی تھی اور اُنہوں نے رسمی کاروائیاں مکمل کر لی تھیں۔

میرے ٹرائل کے دوران ہر کوئی میرے بارے میں فکرمند تھا؛ میں بھی پریشان تھا۔ پہلے مجھے ہتھکڑیاں لگا کر عدالت میں پیش کیا گیا۔ وہ ایک خوفناک تجربہ تھا۔ میرے اہلِ خانہ نے پہلی بار مجھے ہتھکڑیوں میں دیکھا تھا۔ اُن سے مل کر بہت خوشی ہوئی کیونکہ میں اُنہیں بہت زیادہ یاد کرتا تھا مگر حالات کی وجہ سے وہ ملاقات ہولناک بھی لگ رہی تھی۔ وہاں بہت سے لوگ تھے اور جس طریقے سے مجھے پیش کیا گیا اس سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ مجھے دیکھ رہے تھے اور میرے خاندان کے بارے میں کوئی رائے قائم کر رہے تھے۔ ہمارے رشتہ دار بھی وہاں تھے جو میرے لیے ہزیمت کا سبب تھا۔

جرم وقوع پذیر ہونے کے وقت میں گھر پر تھا اور میرے وکیل نے عدالت میں یہ نقطہ اٹھایا تھا مگر جج نے اِس حقیقت پر غور نہ کیا۔ میرے والد نے میرے لیے وکیل کی خدمات لی تھیں۔ میرے وکیل نے بہت کمال کے ساتھ میرا مقدمہ لڑا اور وہ پُرامید تھا کہ مجھے بری کر دیا جائے گا۔ تاہم، مدعی فریق نے جج کو اپروچ کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میرے خلاف مقدمہ کمزور تھا۔ ٹرائل کے دوران میری معصومیت کا نقطہ بھی اٹھایا گیا۔ ایس ایچ او نے عدالت میں جھوٹ بولتے ہوئے کہا کہ مجھے جائے واردات سے گرفتار کیا گیا تھا اور اُس وقت میں ایک ڈنڈے سے مسلح تھا۔ جج نے جھوٹے بیان پر اُس کی سرزنش کی۔ ٹرائل کے دوران کسی نے بھی میرے خلاف گواہی نہ دی۔ کائنات کی گرفتاری کے تین ماہ بعد اُسے ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

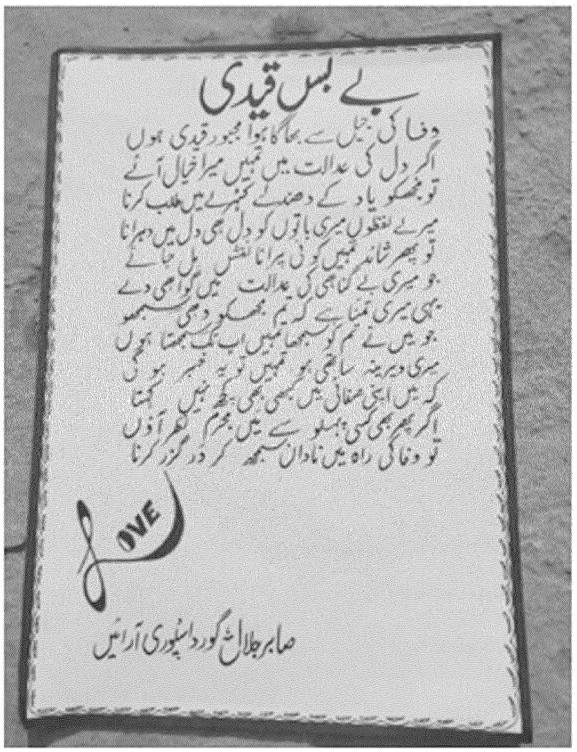

میری درخواست ضمانت مسترد ہوگئی مگر جج نے مجھے حوصلہ دیا کہ میں فیصلے کے خلاف اپیل کروں۔ بعد میں، اُس نے مجھے اپیل نہ کرنے کا مشورہ دیا کیونکہ مدعی فریق نے اپیل کورٹ میں ایک جج کو اپروچ کیا تھا۔ اس لیے میں نے اپیل نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مدعی مقدمہ ایک طاقتور آدمی تھا۔ وہ ایک زمیندار تھا۔ ٹرائل اڑھائی برس جاری رہا۔ مجھے اور ایک دوسرے ملزم کو سزائے موت سنائی گئی اور باقی دو کو عمر قید سنائی گئی۔

فیصلہ سُن کر میں بہت زیادہ افسردہ ہوگیا۔ فیصلے کے وقت میری والدہ وہاں تھی مگر اُسے کچھ سمجھ نہیں آئی تھی کہ کیا کہا جا رہا تھا۔ جب وہ گھر پہنچی اور کسی نے اُسے بتایا تو پھر ہی اُسے پتہ چلا۔ وہ چیخنا شروع ہوگئی۔

جب مَیں جیل میں تھا تو مجھے پتہ چلا کہ یہاں وقت ضائع ہوگا چنانچہ مجھے خیال آیا کہ یہاں میں کوئی کام بھی کر سکتا ہوں۔ اُس وقت میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے اپنی اصلاح کرنی اور اپنی تعلیم مکمل کرنی ہے۔ پہلے پہل میں نے قرآن پڑھنا سیکھا اور ترجمہ تفسیر (اردو ترجمہ اور تشریح) مکمل کی۔ پھر میں نے اپنی رسمی تعلیم مکمل کی۔ میں نے میٹرک اور انٹرمیڈیٹ

مکمل کیا۔ پھر میں نے اپنی انڈر گریجوایٹ ڈگری مکمل کی اور اسلامیات میں ماسٹرز کی ڈگری شروع کی۔ مجھے امید ہے کہ میں جلد ہی اپنا ماسٹرز مکمل کرلوں گا۔ میں نے خود ہی خطاطی سیکھی اور ابھی تک اس کی پریکٹس کرتا ہوں۔ میں نے شاعری لکھنا بھی شروع کیا۔ اِن مشغلوں نے مجھے کسی حد تک سہارا اور امید دی۔

جیل میں، مَیں نے کبھی اپنے آپ کو جذبات کے تابع نہ ہونے دیا۔ جیل میں سزائے موت کی کوٹھڑی میں زندہ رہنے کے لیے مجھے پتھر کا دل چاہیے تھا۔ سزائے موت کا قیدی بننے کے بعد مجھے حقیقی معنوں میں موت کا تصور سمجھ میں آیا۔ قید کے دوران مَیں نے بہت زیادہ پھانسیوں کا مشاہدہ کیا؛ میرے خیال میں 50 پھانسیاں ہوں گی۔ موت کی سزا آپ کو تبدیل کردیتی ہے۔

موت کی کوٹھڑی میں، مَیں پانچ وقت کی نماز پڑھتا تھا۔ جیسے ہی مجھے پتہ چلا کہ مجھے یہاں بہت زیادہ عرصہ گزارنا پڑے گا تو مجھے سمجھ آئی کہ مجھے صابر بننا پڑے گا۔ میں وقت پر کھانا کھاتا تھا۔ میں واک پہ بھی جاتا تھا۔ مگر مجھے صرف موت کی کوٹھڑیوں کے بلاک میں واک کرنے کی اجازت تھی۔ بلاک کا رقبہ تقریباً 40 فٹ تھا۔ مجھے دن کے 22 گھنٹے موت کی کوٹھڑی میں گزارنا پڑتے تھے۔ موت کی کوٹھڑیوں کا سائز بہت چھوٹا ہوتا ہے۔

جب مَیں جیل میں تھا تو اُس دوران دو فسادات ہوئے۔ پہلا فساد 2001 میں ہوا جب میں ساعت پر عدالت میں تھا۔ جیل میں ناانصافی کی وجہ سے بغاوت ہوئی تھی؛ جیل کے محافظ قیدیوں سے خوراک اور پیسہ چھین لیتے تھے۔ اِس کی وجہ سے قیدیوں نے گروپ بنائے جس کے نتیجے میں جیل میں بغاوت برپا ہوئی۔

ایک قیدی بشیر پر سرکشی کے الزام میں تشدد کیا گیا جس سے اُس کی المناک موت واقع ہوگئی۔ بشیر کی موت سے بغاوت زیادہ شدید ہوگئی۔ قیدیوں نے جیل کے تالے توڑنا شروع کردیے جس کے بعد جیل کے محافظوں نے لاٹھی (اردو: ڈنڈا، چھڑی) چارج کیا جس کے نتیجے میں اور قیدی ہلاک ہوئے۔ صورتحال بہت نازک ہوگئی تھی اور جیل انتظامیہ کو مداخلت کرنا پڑی۔ جیل انتظامیہ اور قیدیوں کے درمیان ایک سمجھوتہ ہوا۔ قیدیوں نے ایک حلف نامہ دیا۔ جیل کے چند محافظ ملازمت سے برخاست کردیے گئے جس سے محافظ غصے میں آگئے۔ چنانچہ رات کے وقت وہ لاک اپ کھولتے اور بیرکوں سے ایک فرد کو نکالتے اور لاٹھی کے ساتھ اُسے پیٹتے۔ اُنہوں نے قیدیوں کی ٹوٹتی ہڈیوں اور دیگر زخموں کی کوئی پرواہ نہ کی۔

شریک ملزم جنید کے ساتھ میری تاریخ بہت کٹھن رہی ہے۔ جب وہ ضمانت پر رہا ہوا تو اُس کا بھائی میرے بھائی کے پاس گیا اور میری درخواست ضمانت دائر کرنے کے لیے اس سے 400,000 روپے طلب کیے۔ مگر میرے بھائی نے صاف انکار کردیا۔ جنید مجھے جیل کے جرائم میں پھنسوانے کی حتی الامکان کوشش کرتا رہا۔ اُس نے سپرنٹنڈنٹ سے شکایت کہ میں نے 10,000 روپے بطور رشوت طلب کیے تھے۔ مگر سپرنٹنڈنٹ نے اُس پر یقین نہ کیا اور یہ کہتے ہوئے میرا دفاع کیا کہ جنید ایک ایسے فرد کی شکایت کررہا ہے جو رشوت کے طور پر کسی سے پانی تک نہیں لے سکتا۔ اس قسم کا اضافی دباؤ اور ہراسانی مجھے غصہ دلاتی تھی مگر میں جانتا تھا کہ میں اس پر کچھ نہیں کرسکتا اور مجھے صرف برداشت کرنا پڑتا تھا۔

میں جیل میں مذہبی ٹیچر بن گیا چنانچہ مجھے استاد کہا جانے لگا۔ جلد ہی میں نے جیل میں منشی کے طور پر کام کرنا شروع کردیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میرے ہاتھ کی لکھائی صاف تھی۔ منشی کے طور پر مجھ پر اعتبار بھی کیا جاتا تھا کیونکہ میں بدعنوان نہیں تھا۔ میں آسانی کے ساتھ 5000 سے زائد روپے لے سکتا تھا۔ بدعنوان نہ ہونے کی وجہ سے جیل کا عملہ اور دیگر قیدی میری عزت کرتے تھے۔ میرے خاندان کو بھی اس لیے مجھ پر فخر تھا۔ وہ سردی کے موسم میں دوسرے قیدیوں کے لیے کمبل بھیجتے تھے۔

ایک اور شریک ملزم خاور دوران حراست وفات پا گیا۔ اسے موسم سرما میں دل کا دورہ پڑا تھا۔ جیل کی غفلت اور اس کے علاج میں ناکامی کا بھی اس کی موت میں ہاتھ تھا۔ حراست کے دوران مجھے ہیپاٹائٹس ہوگیا مگر شکر ہے کہ میں صحت یاب ہوگیا۔

میں جیل میں مذہبی ٹیچر بن گیا چنانچہ مجھے استاد کہا جانے لگا۔ جلد ہی میں نے جیل میں منشی کے طور پر کام کرنا شروع کردیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میرے ہاتھ کی لکھائی صاف تھی۔ منشی کے طور پر مجھ پر اعتبار بھی کیا جاتا تھا کیونکہ میں بدعنوان نہیں تھا۔ میں آسانی کے ساتھ 5000 سے زائد روپے لے سکتا تھا۔ بدعنوان نہ ہونے کی وجہ سے جیل کا عملہ اور دیگر قیدی میری عزت کرتے تھے۔ میرے خاندان کو بھی اس لیے مجھ پر فخر تھا۔ وہ سردی کے موسم میں دوسرے قیدیوں کے لیے کمبل بھیجتے تھے۔

عدالت عالیہ میں میرا مقدمہ پہنچنے تک میں موت کی کوٹھڑی میں ساڑھے چھ برس گزار چکا تھا اور میں نے حراست میں کل ساڑھے آٹھ برس گزارے تھے۔ عدالت عالیہ نے میری سزائے موت کو عُمر قید میں تبدیل کردیا۔ میں جانتا تھا کہ میں بےقصور ہوں اور اپنی جدوجہد کرنا چاہتا تھا چنانچہ میں نے عدالتِ عُظمیٰ میں اپیل دائر کی۔ چونکہ اب میں جیل سے باہر ہوں مجھے اس چیز کی امید نہیں ہے کہ میرا مقدمہ جلد سنا جائے گا۔ اب تک کی صورتحال یہ ہے کہ عدالت میں میری اپیل کو پڑے نو برس ہوچکے ہیں۔ میں نے سزا کی معطلی اور ضمانت کے لیے درخواست دائر کی اور چونکہ مقدمہ کے شریک ملزم کو ضمانت مل چکی تھی اس لیے مجھے بھی دے دی گئی۔

جس دن میری ضمانت ہوئی، اُس دن میرے بھائی نے مجھے اس سے مطلع کرنے کے لیے فون کیا۔ میں نے اُسے 60 آدمیوں کے لیے کھانا لانے کو کہا۔ میں جیل میں اپنے دوستوں کے ساتھ اپنی رہائی کی خوشی منانا چاہتا تھا۔ یہ خبر سن کر میں اتنا زیادہ خوش ہوا کہ مجھے لگا کہ میں زمین سے دو فٹ اُوپر ہوا میں اُڑ رہا ہوں۔ میری رہائی کا سن کر جیل انتظامیہ نے میری جلد از جلد رہائی کا حکم صادر کیا۔ جیل انتظامیہ سمیت ہر کوئی میرے لیے خوش تھا۔ اُنہوں نے لاؤڈ اسپیکر پر میری رہائی کا اعلان کیا اور حکم دیا کہ مجھے کسی سے بھی ملنے سے روکا نہ جائے۔

کئی قیدیوں اور جیل کے اہلکاروں نے میرا استقبال کیا۔ سب مجھے الوداع کہنے کے لیے مرکزی دروازے پر آئے۔ قواعد کی رُو سے مرکزی دروازہ صرف بڑے درجے کے افسران کے لیے کھلتا ہے۔ تاہم، انہوں نے جیل میں میرے اچھے رویے کی وجہ سے مجھے اس ضابطے سے استثنیٰ دیا۔ یہاں تک کہ جیل سپرنٹنڈنٹ مجھے مبارکباد دینے کے لیے آئے۔ میں نے 18 برس جیل میں گزارے تھے۔ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ حراست کے پورے دورانیے میں، مَیں واحد قیدی تھا جس نے کبھی کسی ضابطے کی خلاف ورزی نہیں کی۔

جب میں جیل سے باہر نکلا تو مجھے محسوس ہوا کہ باہر کی ہوا مختلف تھی۔ میں جیل میں کبھی کہے بغیر کوئی کام نہیں کرسکتا تھا۔ جب بھی مجھے کوئی کام کرنے کا حکم ہوا، مجھے اِس کی پاسداری کرنا پڑتی تھی۔ اب اپنی ذات کے مالک ہونے، اپنی زندگی پر کنٹرول ہونے کی آزادی بہت زیادہ ہے۔ جب میں باہر آیا تو میرا بھائی میرے استقبال کے لیے اور مجھے گھر لے جانے کے لیے کھڑا تھا۔ مجھے نہیں یاد کہ میں گھر کب پہنچا۔ گھر پر رشتہ داروں کا ایک ہجوم تھا جو مجھے دیکھ کر خوشی سے چیخ رہے تھے، میری رہائی پر مجھے مبارکباد دے رہے تھے۔

میں بیان نہیں کرسکتا کہ زندگی اب کیسی محسوس ہوتی ہے۔ یہ جان کر کہ میں جو چاہوں اور جب چاہوں کرسکتا ہوں۔

چھوٹی چیزیں ہی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ میں فرش پر سوتا تھا اوراب میں چارپائی پہ سوتا ہوں۔ میں آرام دہ نیند سونے اور ریشمی کپڑے کے نیچے گرم رہنے کے لیے موسم سرما کا انتظار نہیں کرسکتا۔ یہ ایسا احساس ہے جو مجھے اپنی قید کے بعد سے نہیں ہوا۔

زندگی کی تعمیرِ نو مشکل کام ہے۔ میرے اِردگرد زیادہ تر لوگ مجھ سے خوفزدہ ہیں کیونکہ میں قتل کے مقدمے میں جیل میں تھا۔ وہ نہیں سمجھتے کہ میں کن مراحل سے گزرا یا کیا کچھ ہوا تھا۔ انہیں ابھی تک یقین ہے کہ میں ایک قاتل ہوں۔ تاہم، جب واقعہ پیش آیا تو گاؤں کا ہرفرد میرا حمایتی تھا۔ مدعی فریقین نے میرے متعلق اور میرے کردار کے بارے میں جاننے کے لیے گاؤں کا دورہ بھی کیا تھا۔ انہیں ہرایک نے انہیں بتایا کہ میں نے جرم نہیں کیا تھا اور جنید کی وجہ سے مجھ پرغلط الزام لگایا گیا ہے۔

اس پورے مقدمے نے میری زندگی تباہ کردی ہے۔ میں نے 18 برس جیل میں گزارے ہیں۔ جیل نے مجھ سے میری زندگی کے بہترین برس لے لیے۔ مجھے اپنی زندگی دوبارہ تعمیر کرنا پڑی اور یہ کام بہت مشکل ہے۔ میں بہت زیادہ غصے میں تھا۔ میں ان لوگوں سے بدلہ لینا چاہتا تھا جنہوں نے میرے ساتھ زیادتی کی تھی۔ میرے والد اوردوسرے قریبی رشتہ دار فوت ہوگئے جب میں جیل میں تھا۔ مگرمیرے بھائی نے میرا حوصلہ بڑھایا اور میں نے وعدہ کیا کہ جو کچھ بھی ہو چکا ہے میں اس میں سلامتی تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔

میں شادی کرنا چاہتا ہوں مگرایسا کرنے کے لیے مجھے اپنے گھر کو بڑا کرنا ہوگا۔ شادی کے بارے میں سوچنے سے پہلے مجھے کوئی ملازمت بھی ڈھونڈنی پڑے گی۔ میرے جیل کے پس منظر کی وجہ سے میرے لیے ملازمت کے امکانات روشن نہیں ہیں۔

ہمارے قانونی نظام کو تبدیل کرنے کی اَشد ضرورت ہے۔ مثال کے طور پراگرایک آدمی نے ایک جرم کیا ہے تو اُسے 50 مقدمات میں ملوث کیا جائے گا۔ جیل میں میں ایک آدمی سے ملا جس کا جائیداد کا تنازعہ تھا مگر مولوی کی مدد سے اُسے مذہب کی توہین کے مقدمے میں پھنسوایا گیا تا کہ اصل مسئلے سے توجہ ہٹ جائے۔ میں نے محسوس کیا کہ جیل میں 99 فیصد لوگ بےقصور تھے۔ میرے خیال میں بےقصور لوگوں کی بہت بڑی تعداد کے جیل میں ہونے کی ذمہ دار پولیس ہے کیونکہ وہ مقدمات کی اچھی طرح تحقیقات نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پولیس والے متاثرہ فرد کی سنائی گئی کہانی پرکوئی اعتراض نہیں اٹھاتے اورجس پربھی متاثرہ فرد الزام عائد کرے اُسے گرفتار کرلیتے ہیں بجائے اس کے کہ وہ معاملے کی مکمل تحقیقات کریں۔ بعد میں یہ مسئلہ بن جاتا ہے کیونکہ جج سزا سناتے وقت غلط تحقیقات پر انحصار کرتے ہیں۔

نظام تبدیل کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کی بدولت بےقصور لوگ لمبے عرصے تک جیل میں گلتے سڑتے رہتے ہیں۔ یہ نظام لوگوں کی زندگیاں تباہ کررہا ہے۔

ذیشان

میرا تعلق فیصل آباد کے نزدیک تاندلیانوالہ نامی ایک چھوٹے سے شہر سے ہے۔ دو بھائیوں اور پانچ بہنوں کے ساتھ میری پرورش ہوئی۔ میرے والد کا بھائی بھی ہمارے ساتھ رہتا تھا۔ ان کا کوئی بچہ نہیں تھا۔

میرا والد اپنی زمین پر کاشتکاری کرتا تھا۔ میرے والدین ہمیں اسکول بھیجتے تھے مگر ہم کلاسز چھوڑ دیتے اور گھومنے پھرنے میں دن گزار دیتے تھے۔ میں تیسری جماعت تک پڑھتا رہا مگر اس کے بعد کوئی پیش رفت نہ کرسکا۔ میری کارکردگی اچھی تھی اور ریاضی اور اردو سیکھا۔ سکول سے نکلنے کے بعد میں نے کپڑوں کی سلائی سیکھی۔ اور 1988 میں ایک جنرل اسٹور کھولا جب میں 14 برس کا تھا۔ میٹرک کرنے کے بعد، میرا چھوٹا بھائی بھی میرے ساتھ اسٹور چلانے لگ گیا۔

اُس تاریخی دن، 10 مارچ 2002 کو، میرا بھائی سورج غروب ہونے کے وقت دکان پر تھا۔ میں ایک شادی میں شرکت کے لیے گیا ہوا تھا۔ میرے بھائی نے ایک لڑکے سے 300 پاکستانی روپے (کوئی 4 یو ایس ڈالر) لینے تھے۔ لڑکا رقم مانگنے پر ناراض ہوگیا اور مطالبہ کیا کہ اس سے رقم مانگنے کا سلسلہ بند کیا جائے۔ صورتحال بگڑ گئی اور لڑائی پر منتج ہوئی۔ یہ موبائل فونوں سے پہلے کی بات ہے، چنانچہ لڑکے نے ایک پبلک کال آفس (پی سی او) استعمال کیا اور کسی کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ لڑکے کا چچا دکان پر آیا اور میرے بھائی کو مارنا شروع کردیا۔ عیدالاضحی قریب تھی۔ اس لیے ہم نے اپنے سٹور میں چھریاں بیچنے کے لیے رکھی ہوئی تھیں۔ میرے بھائی نے ایک چھری پکڑی اوراپنے دفاع میں اُن پرحملہ کردیا۔ تمام لوگ زخمی ہوگئے۔ تین لوگ تھے جن میں سے دو موقع پر ہلاک ہوگئے۔

میں شادی سے ہوکراپنی دکان کی طرف جارہا تھا کہ راستے میں مجھے لوگوں نے روکا اور مجھے جلدی سے دکان پر جانے کو کہا۔ میں نے ان سے یہ نہ پوچھا کہ وہ مجھے ایسا کیوں کہہ رہے ہیں مگر دکان کی طرف بھاگا۔ میں تقریباً ایک کلومیٹر دور تھا کہ میں نے مقامی مسجد سے اعلان سنا کہ کوئی مرگیا ہے۔ میں نے ایک پی سی او سے لمبردار کوفون کیا یہ پوچھنے کے لیے کہ کیا ہوا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ میرے بھائی نے دولوگوں کوقتل کردیا ہے جبکہ ایک آدمی زخمی ہے۔ ایف آئی آر کے اندراج کے دوران، میں نے مدعی فریق سے درخواست کی کہ وہ مقدمہ صرف ایک آدمی کے خلاف درج کروائیں کیونکہ وقوعے میں صرف ایک آدمی ملوث تھا۔ انہوں نے یہ دلیل سننے سے انکار کردیا۔ اس رات، پولیس ہمارے گھر آئی۔ میرا خاندان اور میں، بچوں سمیت گھر سے بھاگ گیا ور ہمسائے کے گھر چلے گئے۔

میں شادی سے ہوکر اپنی دکان کی طرف جارہا تھا کہ راستے میں مجھے لوگوں نے روکا اور مجھے جلدی سے دکان پر جانے کو کہا۔ میں نے ان سے یہ نہ پوچھا کہ وہ مجھے ایسا کیوں کہہ رہے ہیں مگر دکان کی طرف بھاگا۔ میں تقریباً ایک کلومیٹر دور تھا کہ میں نے مقامی مسجد سے اعلان سنا کہ کوئی مرگیا ہے۔ میں نے ایک پی سی او سے لمبردار کو فون کیا یہ پوچھنے کے لیے کہ کیا ہوا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ میرے بھائی نے دولوگوں کوقتل کردیا ہے جبکہ ایک آدمی زخمی ہے۔ ایف آئی آر کے اندراج کے دوران، میں نے مدعی فریق سے درخواست کی کہ وہ مقدمہ صرف ایک آدمی کے خلاف درج کروائیں کیونکہ وقوعے میں صرف ایک آدمی ملوث تھا۔ انہوں نے یہ دلیل سننے سے انکار کردیا۔ اُس رات، پولیس ہمارے گھر آئی۔ میرا خاندان اور میں، بچوں سمیت گھر سے بھاگ گئے اور ہمسائے کے گھر چلے گئے۔ میرا بھائی تین دن تک گھر کے بالائی حصے میں ٹھہرا رہا۔ میں اپنے بھائی سے رابطے میں رہا۔ واقعے کے تیسرے دن، ہم اپنے بھائی کو مقامی پولیس اسٹیشن لے گئے۔ ایف آئی آر تین افراد کے خلاف درج ہوئی تھی؛ ایک آدمی پر مجرمانہ سازش کا الزام تھا اور مجھ اور میرے بھائی پر قتل کا الزام تھا۔ میرے متعلق کہا گیا کہ میں نے قتل میں سرگرم حصہ لیا اور ایک آدمی کو چھریاں ماریں۔ 20 دن کے بعد، میں نے اپنی بےقصوری ثابت کرنے کے لیے خود کو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے روبرو پیش کیا۔ اُسی دوران میرے بھائی کو جوڈیشل لاک اپ میں بھیج دیا گیا تھا۔

جب ایف آئی آر درج ہوجائے تو پولیس کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاملے کی مکمل طور پر چھان بین کرے اور حقیقت معلوم کرے، مگر پولیس نے ایک مقدمہ درج کیا اور مقدمے میں شامل ہرایک پر الزام عائد کیا۔ اگرچہ صرف ان کو تحویل میں لینا چاہیے جنہوں نے جرم کیا ہوتا ہے مگر حقیقت میں پورے خاندان کو معاملے میں گھسیٹا جاتا ہے جس کے باعث

کئی مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

میں گرفتاری کے بغیر دو سے تین دن تک پولیس کی تحویل میں رہا۔ پھر مجھے مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا جس نے پولیس کو 14 دن کا ریمانڈ دیا۔ پولیس نے فردِ جرم میں کہا کہ میں بےقصور ہوں۔ پولیس نے فردِ جرم میں یہ بھی لکھا کہ یہ ذاتی دفاع کا واقعہ تھا۔ مجھے دوبارہ مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا اور پھر جوڈیشل لاک اپ میں بھیج دیا گیا۔

میرے والد کی سات ایکڑ زمین تھی۔ میرے برادرِ نسبتی کو مقدمے کے اخراجات کا بندوبست کرنے کے لیے بہت ہی کم نرخ پر، 155,000 پاکستانی روپے (تب 2583 یو ایس ڈالر) فی ایکڑ کے حساب سے وہ ساری اراضی فروخت کرنا پڑی۔ باقی ماندہ رقم قومی بچت سکیم میں جمع کروادی گئی۔

سیشن کورٹ میں ہمارا ٹرائل شروع ہوا اور 16 ماہ میں مکمل ہوا۔ ہمارے وکیل نے ٹرائل کے دوران ذاتی دفاع کا نقطہ اٹھایا تھا۔ مگر مدعی فریق یہ کہہ کر مقدمے پر اثر انداز ہوا کہ وہ اپنے فروخت شدہ دودھ کے پیسے وصول کرنے کے لیے روزانہ کے معمول کے دورے پر تھے، جب ہم نے رقم کے متعلق شور مچایا اور ان پر حملہ کیا۔ ہم نے پولیس کو 15 سے 16 حلف نامے اور بیانات جمع کروائے جن میں جائے وقوعہ پر موجود ایک رکشہ ڈرائیور اور پی سی او آپریٹر کا بیان بھی تھا جن میں بتایا گیا تھا کہ اصل میں ہوا کیا تھا۔ انہوں نے کسی بھی بیان کو توجہ نہ دی۔ مجھے اور میرے بھائی کو سزائے موت سنائی گئی مگر مجرمانہ سازش کے موردِ الزام تیسرے شخص کو بری کر دیا گیا۔ ہمیں موت کی کوٹھڑیوں میں بھیج دیا گیا۔

وہ وقت میرے لیے بہت مشکل تھا جب میں سزائے موت سننے کے بعد جیل واپس آیا۔ اپنی قید کے دوران مجھے نیند نہیں آئی۔ مگر جب میں نے موت کی کوٹھڑی اور اس کی حالت دیکھی تو رونا نہ روک سکا۔

لاہور ہائی کورٹ نے چھ برس بعد 2009 میں ہماری اپیل کی سماعت شروع کی۔ یہ وہی وقت تھا جب جنرل پرویز مشرف کے دور میں پی سی او جج کام کر رہے تھے۔ ہم نے ایڈووکیٹ مسٹر بھٹی کو اپنا وکیل نامزد کیا اور اُسے 300,000 پاکستانی روپے (تب 3,659 یو ایس ڈالر) ادا کیے۔ 27 جولائی 2018 کو عدالت نے فیصلہ سنایا۔ لاہور ہائی کورٹ نے مجھے رہا کر دیا مگر میرے بھائی کی سزا برقرار رکھی۔ ہم نے اپنے بھائی کی سزا کے خلاف عدالتِ عظمیٰ میں اپیل دائر کی۔ عدالتِ عظمیٰ میں ابھی تک مقدمے زیرِ التوا ہیں۔

میں دس برس سے زائد عرصہ تک جیل میں رہا اور اُس دوران میں نے کسی کو پریشان کیا نہ مجھے کسی نے پریشان کیا۔

جیل میں رہنا بہت تکلیف دہ تھا۔ میں اپنے خاندان کو بہت زیادہ یاد کرتا تھا۔ مجھے اپنی بیوی اور بچوں کو پیچھے چھوڑنا پڑا تھا۔ میری قید کے دوران میری والدہ وفات پا گئیں۔ جیل میں اتنے زیادہ مچھر تھے کہ ہم رات کو سو نہیں پاتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ جیل میں تقریباً 40 فیصد لوگ بےقصور ہیں اور انہیں جیل میں نہیں ہونا چاہیے اور دیگر 60 فیصد صرف اس وجہ سے وہاں ہیں کہ ان کے کسی رشتہ دار یا دوست نے جرم کیا ہے اور اُنہیں ناجائز طور پر ملوث کیا گیا ہے۔

جب میں جیل میں تھا تو اُس دوران پانچ لوگوں کو ایک مقدمے میں پھانسی دی گئی تھی۔ مقدمہ فیصل آباد سے باہر واقع ایک چھوٹے سے گاؤں کا تھا۔ دو افراد مجرم تھے جبکہ باقی تینوں مکمل طور پر بےقصور تھے۔ اُن میں سے دو کو اُس وقت نوعمر قرار دیا گیا جب جنرل مشرف نے جووینائل جسٹس سسٹم آرڈیننس 2002 متعارف کروایا تھا۔ انہیں ایک برس تک نوعمر تصور کیا گیا، مگر بعد میں مدعی فریق اور یونین کونسل انتظامیہ کی سازباز سے اُنہیں بالغ قرار دیا گیا۔ اُن کی مدد کے لیے کوئی بھی نہیں تھا۔ اُن سب کو 2005 میں پھانسی دے دی گئی۔

فوجداری نظامِ انصاف میں اصلاح کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ بےقصور لوگوں کو رہائی جبکہ حقیقی مجرموں کو سزا ملنی چاہیے۔ جعلی مقدموں کے اندراج پر پابندی ہونی چاہیے اور رشوت کا خاتمہ ہونا چاہیے۔

ہمیں مدعی فریق کے ساتھ مصالحت کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ ہم نے انہیں بطور دیت پچاس لاکھ پاکستانی روپے کی پیشکش کی اور معاملے کو حل کرنے کی بہت زیادہ کوشش کی۔

جیل سے رہائی کے بعد میں لاہور میں رہا تا کہ اپنے برادرِ نسبتی کی جائیداد سنبھال سکوں جو جنوبی افریقہ میں رہتا ہے۔ میں لاہور میں صرف چھ ماہ رہا اور پھر واپس گاؤں جانا پڑا تا کہ مصالحت کے لیے انتظامات کر سکوں۔

میں دشمنی کے باعث مدعی فریق کے گھر نہیں جا سکتا تھا۔ مجھے یہ کام کرنے کے لیے ایک رُکن پارلیمان کی طرح کی نمایاں شخصیت چاہیے تھی۔ ریاض فتیانہ اور چوہدری محمد سرور مدعی فریق کے پاس گئے اور انہیں صلح کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ مرنے والے کے بھائی سے بھی بہت مرتبہ رجوع کر کے پیشکش قبول کرنے کی درخواست کی گئی۔ اُنہوں نے ہماری پیشکشوں کو رد کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ حالاں کہ ہمارے درمیان اب کوئی دشمنی نہیں۔ وہ واحد وقوعہ تھا اور اچانک پیش آیا تھا۔

میری زندگی کا مقصد ہے کہ میں اپنے اردگرد رہنے والے لوگوں کی زندگیاں بہتر کرنے کے لیے جو کچھ کر سکتا ہوں کروں، اب زیادہ کوشش کروں کیونکہ اب میں جیل سے باہر ہوں۔ معاشرے میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے میں تین بار ضلع کونسل کا رُکن منتخب ہوا ہوں۔ پہلی بار مشرف کے دور میں 2001 میں منتخب ہوا تھا۔ میں حال ہی میں دوبارہ منتخب ہوا تھا۔ میں دوسروں کے مسائل حل کرنے کے لیے مستقل بنیادوں پر اُن کی مدد کرتا ہوں۔

مجھے خدا نے بہت اچھے چچا سے نوازا ہے۔ ان کے ہاں اولاد نہیں تھی، اور ان کے پاس ساڑھے تین ایکڑ اراضی تھی جو انہوں نے میرے نام منتقل کر دی۔ میں نے وہ اراضی تقریباً تینتیس لاکھ پاکستانی روپے (تب 27,273 ڈالر) میں فروخت کی۔ اُن پیسوں سے میں نے انسٹالمنٹ کارپوریشن کا کاروبار شروع کیا اور اب یہ میری آمدنی کا ذریعہ ہے۔ میرے بیٹے بھی گھر کے اخراجات میں اپنا حصہ ڈالتے ہیں۔ میں اپنے بھائی کے خاندان کا خرچہ بھی اٹھاتا ہوں۔ وہ میرے گھر کے بالائی حصے میں رہتے ہیں۔ اُس کی بیٹیاں پنجاب کالج تاندلیانوالہ میں پڑھتی ہیں۔

اپنے کاروبار کے ذریعے میں اُن لوگوں کو رکشے اور موٹر سائیکل دے سکتا ہوں جنہیں اِن چیزوں کی مستقل ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کام جاری رکھنے کے لیے مجھے زمین بھی بیچنا پڑی۔ میں لوگوں کے لیے رکشہ خریدتا ہوں، ملکیت اُن کے نام منتقل کرتا ہوں اور بدلے میں اُنہیں رکشہ کی قیمت کی ادائیگی تک مجھے روزانہ دو سو پاکستانی روپے (1.4 ڈالر) دینے ہوں گے۔ میں مزدوروں اور ایسے لوگوں کو موٹر سائیکلیں بھی دیتا ہوں جنہیں کام پر جانے میں مشکل ہوتی ہے۔ انہیں مجھے روزانہ 70 پاکستانی روپے (0.5 ڈالر) دینے ہوتے ہیں۔ مجھے یہ گاڑیاں انہیں سود پر فروخت کرنی پڑتی ہیں مگر میں کوشش کرتا ہوں کہ سود کم سے کم ہو۔

اپنی آمدنی سے میں معاشرے میں سرمایہ کاری کرتا ہوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرتا ہوں۔ اگر گاؤں میں کوئی فوتگی ہو جائے تو میں جنازہ کے انتظامات کرتا ہوں۔ میں غریب لوگوں کی بیٹیوں کی شادی کے حوالے سے اُن کی مدد کرتا ہوں۔ اُن کے جہیز کے لیے اُنہیں پنکھے، استریاں، دھلائی کی مشینیں وغیرہ خرید کر دیتا ہوں۔ اس انٹرویو کے ریکارڈ ہونے سے کچھ ہی وقت پہلے میں نے ایک آدمی کو 2000 پاکستانی روپے (14 یو ایس ڈالر) دیے جس نے مجھے بتایا کہ وہ اپنے بھوکے بچوں کو کھانا کھلانے کی سکت نہیں رکھتا۔ میرے پاس ایک چھوٹی سی گاڑی ہے جو کہ میرے گاؤں میں ایک امتیازی خاصیت سمجھی جاتی ہے۔ جن لوگوں نے مجھ سے ادھار لیا ہے میں نے ان کو بتایا ہے کہ اگر وہ مشکل میں ہوں یا زخمی ہوں تو پھر میں جتنی جلدی ممکن ہو سکا ان کی مدد کو پہنچوں گا۔ حال ہی

میں، مَیں نے اپنے گاؤں کے قریب ایک مزدور کی مدد کی ہے۔ اُس نے مجھے فون کیا کہ وہ زخمی حالت میں ہے۔ میں اُسے گجوانی ہسپتال لے گیا۔ اُسے سمندری ہسپتال لے جانے کو کہا گیا تو میں اُسے وہاں لے گیا۔ میں نے اُسے 300 پاکستانی روپوں (2.4 یوایس ڈالر) کی ادویات بھی خرید کر دیں۔ گاڑی کے ایندھن پر 500 روپے (3.5 یوایس ڈالر) خرچ ہوئے جو میں نے خود اپنی جیب سے دیے۔ جب میں نے اُسے گھر اتارا تو میں نے اُس کے خاندان کے لیے گندم بھی دی۔

میں خاندانوں کے مابین کشیدہ معاملات میں بھی کردار ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایک ایسا ہی معاملہ احمد کے خاندان کا تھا۔ لطیف اور احمد کے درمیان لڑائی ہوئی جس کے نتیجے میں لطیف کو گولی لگ گئی۔ لطیف کو فیصل آباد میں ایک ہسپتال لے جایا گیا جہاں وہ 10 سے 15 دن رہا مگر اس کے زخم اتنے شدید تھے کہ اُس کی موت واقع ہوگئی۔ ایف آئی آر کے اندراج کے بعد احمد گرفتار ہوگیا۔ اسے جیل بھیج دیا گیا اور ٹرائل ابھی زیرِ التوا ہے۔

میں نے فریقین کے مابین صلح کروانے کی بہت زیادہ کوشش کی۔ میں نے لطیف کے بچوں کو جنازے کے انتظامات کے لیے 5000 پاکستانی روپے (تب 41 یوایس ڈالر) دیے۔ میں نے اُس کے خاندان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ زندگی میں اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں اور انہیں چاہیے کہ وہ خدا کے حکم کے مطابق معاف کردیں۔ لطیف کا ایک بھائی مدعی جبکہ دوسرا گواہ تھا۔ ایک تیسرا گواہ بھی تھا۔

ایک رات وہ صلح پر آمادہ ہوگئے اور مجھ سے دِیت کے طور پر 1,000,000 پاکستان روپے (8,197 یوایس ڈالر) طلب کیے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میرے پاس اس وقت اتنی زیادہ رقم نہیں ہے۔ اس سے وہ ناراض ہوگئے اور رقم کا تقاضا کرنے کے لیے ہر روز آنا شروع کردیا۔ میں نے اُنہیں بتایا کہ میرے پاس دو دکانیں ہیں جو رقم کا بندوبست ہونے تک بطورِ ضمانت اُن کے نام منتقل کی جاسکتی ہیں۔ جب میں دِیت کا بندوبست کرلوں تو وہ مجھے میری دکانیں واپس کردیں گے۔

میرے پاس ایک کار ہے جو میں اُنہیں دینے پر رضامند ہوگیا تا کہ وہ اسے فروخت کرسکیں۔ کار 700,000 پاکستانی روپے (تب 5,738 یوایس ڈالر) میں فروخت ہوگی۔ میرے پاس کار کی دستاویزات تھیں اور میں نے کار کی ملکیت ان کے نام منتقل کرنے کے لیے ایک معاہدے کا مسودہ تیار کیا۔ مجھے باقی ماندہ رقم فیصل آباد میں رہائش پذیر اپنے کزن سے مل سکتی تھی۔ میں نے رات کے دو بجے انہیں اپنی کار دی اور اُسی رات ہم فیصل آباد گئے اور بقیہ رقم اپنے کزن سے لی۔ شکر ہے کہ لطیف کے بیٹے عدالت گئے اور اپنے بیانات قلمبند کروائے جس کے بعد احمد کو رہائی مل گئی۔ عید قریب تھی اور ہم چاہتے تھے کہ وہ عید اپنے خاندان کے ساتھ گزارے۔ اپنے خاندان سے دور عید گزارنا بندے کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ اگر کوئی بندہ عید کے دوران جیل میں ہوگا تو وہ اپنا وقت رو کر گزارے گا اور اس کے عزیز و اقارب دن گھر پر رو کر گزاریں گے۔ اپنے تجربے کے بعد، مَیں چاہتا ہوں کہ کوئی بھی فرد عید اپنے خاندان سے دور نہ گزارے۔

جب میں جیل میں تھا تو اس دوران پانچ لوگوں کو ایک مقدمے میں پھانسی دی گئی تھی۔ مقدمہ فیصل آباد سے باہر واقع ایک چھوٹے سے گاؤں کا تھا۔ دو افراد مجرم تھے جبکہ باقی تینوں مکمل طور پر بے قصور تھے۔ ان میں سے دو کو اس وقت نوعمر قرار دیا گیا جب جنرل مشرف نے جووینائل جسٹس سسٹم آرڈیننس 2002 متعارف کروایا تھا۔ انہیں ایک برس تک نوعمر تصور کیا گیا، مگر بعد میں مدعی فریق اور یونین کونسل انتظامیہ کی سازباز سے انہیں بالغ قرار دیا گیا۔ ان کی مدد کے لیے کوئی بھی نہیں تھا۔ ان سب کو 2005 میں پھانسی دے دی گئی۔

میں نے مدعی فریق کے گاؤں میں مدرسہ بنایا ہے اور اُس کا نام اپنے بھائی سے منسوب کیا ہے۔ یہ ایک مسجد کے ساتھ منسلک ہے کیونکہ مدرسے کے عطیات طے شدہ ہیں۔ میں نے زمین خرید کر اس پر مدرسہ بنایا تا کہ اللہ میرے بھائی کو اُس کا گناہ بخش دے۔

میرا بھائی ابھی بھی سزائے موت کا قیدی ہے۔ ہم اُس کی بہت زیادہ کمی محسوس کرتے ہیں۔

اشرف

میں مراکیوال، سیالکوٹ میں رہتا ہوں۔ اِس وقت میری عمر 50 برس ہے۔ جب میں بڑا ہو رہا تھا تو اُس وقت ہمارے پاس گھر میں ایک ٹیلی ویژن تھا۔ یہ پورے گاؤں میں واحد ٹیلی ویژن تھا۔ میرے دادا اور دادی میری دیکھ بھال کرتے تھے مگر ابھی میں نوعمر ہی تھا کہ وہ فوت ہوگئے۔ میرا دادا پہلوان (اردو/ پنجابی: ریسلر)، تھا۔ اسی وجہ سے کھیلوں میں میری دلچسپی بھی بڑھی۔

میں میٹرک (دسویں جماعت) کرنے کے بعد 19 برس کی عمر میں فوج میں بھرتی ہوا اور سات برس تک ملازمت کی۔ اُن دنوں آل پاکستان ٹورنامنٹ ہوا تھا اور میں کھیلوں کا سازوسامان لینے گیا تھا۔ وہاں میری ملاقات فوج کے کوچ سے ہوئی۔ اُس نے مجھے ٹیم کا حصہ بننے کو کہا۔ میں نے فوج کے لیے ہر قسم کا کھیل کھیلا بشمول جمناسٹک اور فٹ بال۔ فٹ بال میں مَیں مڈ فیلڈر تھا میں اپنی پوزیشن پر کھیل سکتا تھا۔ میں ایک بندوقچی بھی تھا اور میرا بڑا اچھا نشانہ تھا۔ فوج میں میرا بہت زیادہ احترام کیا جاتا تھا۔ میرے یونٹ کے لوگ مجھے "چیتا" اور 'مردِ آہن' کہہ کر پکارتے تھے۔ مجھے فوج میں رہنا بہت پسند تھا۔ اُس دوران مجھے سب سے اچھے فنکار اور کھلاڑی کے ایوارڈز ملے۔ جنرل کی بیوی کو موسیقی سے لگاؤ تھا اور وہ مجھے اپنے لیے اور گھر پر موجود دیگر لوگوں کے لیے گانے کے لیے بلاتی تھیں۔

میں چھٹی پر اپنے خاندان کو ملنے سیالکوٹ گیا ہوا تھا۔ میں کینٹ جانے کے لیے بس کے اڈے پر گاڑی کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے لفٹ لی اور اُنہوں نے مجھے میری منزل پر اتارا۔ جن سے میں نے لفٹ لی تھی اُن کی مجھے اتارنے کے بعد کسی سے لڑائی ہوگئی۔ تفتیش کے دوران، کسی نے کہا کہ کار میں ابتدا میں چھ لوگ تھے، چھٹا آدمی مَیں تھا۔ اِس چھوٹی سی غلطی کی وجہ سے میں اُس مقدمے میں پھنس گیا۔

ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں جہنم میں چلا گیا ہوں۔ پولیس میرے گھر آئی اور کہا کہ میں جرم میں ملوث تھا۔ ملزمان پر ڈکیتی اور قتل کا الزام لگا۔ مرنے والا فوج کے ایک جنرل کا کزن تھا جس وجہ سے اس کی طرف سے دباؤ تھا اور مدعی فریق کا مقدمہ مضبوط ہوگیا تھا۔

جب پولیس نے مجھے گرفتار کیا تو اُنہوں نے مجھے مارا پیٹا کیونکہ میں مسیحی تھا۔ اگرچہ مرکزی مجرم مجھے مقدمے میں ملوث کرنا چاہتا تھا مگر پھر بھی دیگر نے کہا کہ میں ملوث نہیں تھا اور یہ کہ مجھے اکیلا چھوڑ دینا چاہیے۔ میری گرفتاری دو دن تک ظاہر نہ کی گئی۔ مجھ سے اعترافِ جرم کروانے کے لیے مجھے مارا پیٹا گیا۔ اُس وقت صرف خدا ہی مجھے بچا سکتا تھا۔ پولیس ایک پولیس مقابلے کے ذریعے 'ہم سے چھٹکارا' پانا چاہتی تھی مگر ڈی آئی جی نے انکار کر دیا اور ہمیں ریمانڈ پر بھیج دیا۔

ایک ماہ کے ریمانڈ کے بعد، اپریل 1997 میں ٹرائل شروع ہوا۔ پہلے مقدمہ سیشن کورٹ سیالکوٹ کو بھیجا گیا اور پھر تین ماہ کے بعد گوجرانوالہ میں انسدادِ دہشت گردی عدالت کو بھیجا گیا۔ مدعی فریق نے اسے دہشت گردی کا واقعہ بنانے کے لیے دباؤ ڈالا حالانکہ ہمارے پاس اسلحہ نہیں تھا۔ ہماری ضمانت نہ ہوسکی۔

میرا وکیل ریاست کا مقرر کردہ تھا کیونکہ میرا خاندان پرائیوٹ قانونی مدد کی استعداد نہیں رکھتا تھا۔ صرف میں ہی

تھا۔ باقی سب نے پرائیوٹ وکیل کیے ہوئے تھے۔

میڈیکل افسر کی شہادت کے دوران، ایک میڈیکل رپورٹ پیش ہوئی جس میں لکھا ہوا تھا کہ جسم میں گولی نہیں تھی اور مرنے والا دل کا دورہ پڑنے سے مرا تھا۔ جج نے ڈاکٹر کے ساتھ بحث شروع کر دی، اور کہا، 'میڈیکل رپورٹ میں کچھ بھی نہیں ہے! میں انہیں سزا کیسے دوں گا؟' اس کے چہرے پر پریشانی تھی، اس نے ہماری طرف دیکھا اور کہا کہ اسے اعلیٰ حکام سے حکم ملا ہے کہ وہ ہم سب کو سزا دے اور رہا نہ کرے۔ اُس نے کہا کہ عدالت عالیہ ہمیں رہا کر سکتی ہے۔ جج نے جو کچھ کہا تھا اُس پر ایک ملزم نے اس کے ساتھ جھگڑنا شروع کر دیا اور انصاف کا مطالبہ کیا۔ جج کا جواب تھا کہ اُس پر ایسا کرنے کے لیے دباؤ ہے۔

متوفی کا بیٹا اور بیوی بطور گواہ پیش ہوئے۔ گواہی دینے والا واحد پولیس افسر کینٹ پولیس اسٹیشن کا ہاؤس آفیسر تھا جو تحقیقاتی افسر بھی تھا۔

قانونی کاروائی کے دوران جو کچھ ہوا مجھے اُس کی سمجھ آ گئی تھی۔ مَیں بیڑیوں اور ہتھکڑیوں کی حالت میں عدالت میں تھا۔ وہاں بہت زیادہ سیکیورٹی تھی۔ جب ہم عدالت گئے تو سوچا کہ ہم پولیس مقابلے میں مار دیے جائیں گے مگر ٹرائل ختم ہونے کے بعد ہمیں پتہ چلا کہ ہم محفوظ تھے۔ ٹرائل کو مکمل ہونے میں چھ ماہ لگے۔ مجھے دیگر دو لوگوں کے ساتھ سزائے موت دی گئی اور تین لوگوں کو عمر قید سنائی گئی۔

میں نے عدالتی فیصلے کی ایک نقل حاصل کی اور اُسے پڑھا بھی۔

1997 میں اپیل دائر کی گئی مگر سماعت 2003 میں شروع ہوئی۔ اپیل کی سماعت شروع ہونے تک میں چھ برس جیل میں گزار چکا تھا جن میں سے ساڑھے پانچ برس سزائے موت کے قیدی کی حیثیت سے مَیں نے جیل میں بسر کیے۔ لاہور ہائی کورٹ میں چار ججوں کے بنچ نے اپیل کی سماعت کی۔ ریاست نے میرے لیے ایک وکیل مقرر کیا تھا۔ میں کبھی بھی اپنے وکیل سے نہیں ملا نہ ہی میں اپنی اپیل کی سماعت پر کبھی ہائی کورٹ گیا۔ مجھے عدالت کی تاریخوں کا پتہ تھا کیونکہ جب کبھی فون پر میری اپنے خاندان سے بات ہوتی تو وہ اس کی بابت مجھے بتاتے تھے۔ میری خواہش تھی کہ میں اپنی اپیل

مجھے جن چیزوں کا شوق ہے ان میں سے ایک سنگیت کاری ہے۔ میں ملفا قسم کے کلاسیکیل سنگیت گاتا ہوں بشمول مہدی حسن، لتا منگیشکر، محمد رفیع، اور نور جہاں کے سنگیت۔ میں چرچ کوئر میں گاتا تھا اور پیشہ ورانہ طور پر بھی۔

کی سماعت سننے کے لیے عدالت جاتا کیونکہ عدالت میں جو کچھ ہو رہا تھا میں اس کے بارے میں لاعلم تھا۔ میرا وکیل مجھ سے ملنے کے لیے کبھی جیل نہیں آیا۔ میں وکیل کو صرف اِس وجہ سے جانتا تھا کہ مجھے ایک دستاویز ملی تھی جس پر لکھا تھا کہ وہ میرا وکیل تھا۔ میری سزا عمر قید میں تبدیل کی گئی اور کہا گیا کہ جرمانے کی عدم ادائیگی پر مجھے مزید قید بھگتنا ہوگی۔ صرف غلام کی سزائے موت کو برقرار رکھا گیا تھا۔ غازی، مرکزی ملزم جس نے مبینہ طور پر مقتول پر گولی چلائی تھی، کو تقریباً دو سال قبل 2016-2017 میں پھانسی دے دی گئی تھی۔ میں غلام کو جانتا تھا کیونکہ ہم ایک ہی گاؤں سے تھے۔

ہائی کورٹ کا فیصلہ انگریزی میں تھا اور میں نے کسی فرد سے پڑھوایا تھا۔ میں انگریزی نہیں پڑھ سکتا اور میری خواہش تھی کہ فیصلہ اردو میں ہوتا تا کہ میں اسے پڑھ سکتا۔

مجھے جن چیزوں کا شوق ہے ان میں سے ایک سنگیت کاری ہے۔ میں کلاسیکل سنگیت گاتا ہوں بشمول مہدی حسن، لتا منگیشکر، محمد رفیع، اور نور جہاں کے سنگیت۔ میں چرچ کوئر میں گاتا تھا اور پیشہ ورانہ طور پر بھی۔

مجھے جیل میں استاد کہا جاتا تھا کیونکہ جیل میں ہر کوئی مجھے محبت کرتا تھا۔ میں ہر چیز صاف ستھری رکھتا تھا۔ میں جیل میں قالین بناتا تھا اور جیل کے گرجا کا انچارج تھا۔ گرجا میں ہماری سنگیت کاروں کی ایک ٹولی تھی جس سے مجھے بہت لگاؤ تھا۔ ہمارے پاس ایک طبلہ اور ایک ہارمونیم تھا۔ میں جیل میں اہم تقریبات پر بھی گاتا تھا، خاص طور پر قومی ترانہ۔

میں محرم کے دوران غیر۔مسیحی تقریبات پہ بھی گاتا تھا۔ قید کے دوران میں نے جڑی بوٹیوں سے علاج معالجہ کرنا سیکھا۔ شام کے وقت میں قیدیوں کو کھیلوں کی تربیت دیتا تھا۔ بیرک میں کچھ کرنے کے لیے کافی جگہ ہوتی تھی۔ کھیلوں کا ساز و سامان عطیے میں ملتا تھا۔ جیل انتظامیہ نے ہمیں کچھ نہ دیا۔

جیل میں پہلی رات 'زمین پر دوزخ' کی طرح تھی۔ میں پوری رات سو نہ سکا۔ پہلی رات کے دوران لوگوں نے اپنے حواس کھو دیے تھے۔ وہ سونے کے لیے منشیات استعمال کرتے ہیں۔ کچھ لوگ پاؤڈر (ہیروئن) لیتے ہیں۔ میں نے منشیات استعمال نہیں کی تھی کیونکہ میں جانتا تھا کہ اگر میں نے استعمال کی تو یہ مجھے مار دے گی۔ جیل میں پہلے تین دنوں کے دوران میں نے جیل میں اپنا وقت گزارنے کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کیا۔ جب میں جیل کی لمبی دیواروں کو دیکھتا تو سوچتا کہ میں اتنا زیادہ عرصہ ان کے پیچھے کیسے گزاروں گا۔ لیکن پھر میں دیواروں کا عادی ہو گیا۔ میرے خاندان نے میری شادی کے لیے مجھ پر دباؤ ڈالا مگر میں نے نہ کی کیونکہ میں جیل میں تھا۔

میں نے ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ میں چھ برس گزارے

قانونی کاروائی کے دوران جو کچھ ہوا مجھے اس کی سمجھ آ گئی تھی۔ میں بیڑیوں اور ہتھکڑیوں کی حالت میں عدالت میں تھا۔ وہاں بہت زیادہ سیکیورٹی تھی۔ جب ہم عدالت گئے تو سوچا کہ ہم پولیس مقابلے میں مار دیے جائیں گے مگر ٹرائل ختم ہونے کے بعد ہمیں پتہ چلا کہ ہم محفوظ تھے۔ ٹرائل کو مکمل ہونے میں چھ ماہ لگے۔ مجھے دیگر دو لوگوں کے ساتھ سزائے موت دی گئی اور تین لوگوں کو عمر قید سنائی گئی۔

اور باقی عرصہ کوٹ لکھپت جیل لاہور میں گزارا۔ جب میں سیالکوٹ جیل میں گیا تو وہاں مسیحوں کے لیے کوئی گرجا نہیں تھا۔ جیل انتظامیہ کو اس مسئلے کی کوئی فکر نہیں تھی۔ ٹی۔سراج جو پیشے کے لحاظ سے وکیل ہیں اور اُس وقت جیل میں بند تھے، نے جیل حکام کے ساتھ گرجا کے لیے بات چیت کرنا شروع کی اور بالآخر کامیاب ہو گئے۔ پھر ہم گرجا کے اندر سوئے۔

کوٹ لکھپت میں گرجا کی حالت بہت خراب تھی کیونکہ اس کی دیواریں ٹوٹ رہی تھیں اور ان میں سوراخ تھے اور لوگ وہاں کوڑا پھینکتے تھے۔ یہ مسجد کے بھی پیچھے تھا اور لوگ اسے دیکھ نہیں سکتے تھے۔ ہم نے گرجا کی مرمت کے لیے فنڈ اکٹھا کرنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے بھی عطیہ دیا۔ سیالکوٹ میں، سزا یافتہ مسیحیوں کی تعداد 100 سے 150 کے درمیان تھی جبکہ 500 سے 600 کے درمیان ایسے مسیحی تھے جن کا ٹرائل جاری تھا۔

فنڈز سے ہمارے پاس اتنا پیسہ جمع ہو گیا تھا کہ گرجا کے اندر ٹائلیں لگا سکیں۔ باہر، اگلے حصے پر اور صحن میں سنگِ مرمر لگایا گیا۔ ہم نے سوراخوں پر پلستر لگایا۔ صحن میں ہم نے پھول اور پودے لگائے۔ ہم نے گرجا کے ساتھ ایک غُسل خانہ بھی بنوایا تا کہ گرجا آنے والی عورتیں اسے استعمال کر سکیں کیونکہ اور کوئی سہولت نہیں تھی۔ گرجا بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ جو لوگ جیل کا دورہ کرتے وہ اس کی تصویریں بناتے کیونکہ وہ بہت خوبصورت دکھائی دیتا تھا۔

مجھے ایسا لگا کہ جیل میں قید کے دوران خدا کے ساتھ میری قُربت پیدا ہو گئی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مجھ پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ خدا نے میری روحانی زندگی بہتر کر دی تھی اور مجھے برائی سے دور رکھا۔ جیل میں ایسے لوگ بھی تھے جو کالا جادو کرتے تھے۔ وہ مجھ سے دور رہتے تھے کیونکہ اُن کی نظر میں، میں انسان نہیں تھا کیونکہ میں بہت زیادہ پاک دامن تھا۔ کہا جاتا تھا کہ میں نور ہوں۔ خدا اپنے

کام کے لیے مجھے استعمال کرتا ہے۔ خدا نے میری حفاظت کی۔ جیل میں میری قید کے دوران خدا میرے ساتھ تھا۔ قید کے دوران میں اپنا وقت خدا کی خدمت میں گزارتا تھا۔

صبح کے وقت میں صفائی کرتا اور گرجا کی دیکھ بھال کرتا۔ دوپہر کے کھانے تک ہم گانے گا کر وقت گزارتے۔ ہم صاف ستھرا ہو کر دوپہر کا کھانا کھاتے۔ ہمیں کھانا پکانے کے لیے کوئلہ اور کوئلہ سے جلنے والا چولہا دیا گیا تھا۔ کھانے کو زیادہ ذائقہ دار بنانے کے لیے ہم اُسے تڑکا بھی لگاتے تھے۔ شام کے تقریباً ساڑھے چار بجے ہمیں کمروں میں بند کر دیا جاتا تھا۔ ہم ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ اتنی جلدی تو مرغیوں کو بھی بند نہیں کیا جاتا۔

جیل میں میری قید کے دوران، کچھ مثبت چیزیں بھی تھیں۔ مثال کے طور پر، جیل سے باہر گھر پر شام کے کھانے کے وقت صرف ایک طرح کا کھانا دستیاب ہوگا، مگر جیل میں ہمارے پاس سات طرح کا کھانا ہوتا تھا کیونکہ دوسرے قیدی بھی کھانا بناتے تھے اور ہم ایک دوسرے کو کھانا دیا کرتے تھے۔ قید کے دوران مجھے کوئی بیماری نہیں لگی سوائے زکام کے۔

جیل میں مجھے صرف میرے والد ملنے آیا کرتے تھے اور وہ بھی اپنا فریضہ سمجھ کر آتے تھے۔ میں نے اپنے خاندان سے کبھی کچھ نہیں کہا۔ میرے خاندان نے میری قید کے دوران میرے آدھی زمین بیچ دی تھی اور اُسے اپنے پر ضائع کر دیا۔ اُنہیں میرا کچھ خاص خیال نہیں۔

میں جیل میں قالین کی فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ قالین بافی کے کام سے نکلنے والی گرد سے کئی لوگ تپ دق کے مریض بن گئے۔ ہمیں معاوضہ نہیں دیا جاتا تھا مگر پھر بھی ہمیں کام کرنا پڑتا تھا۔ ہمارے پاس قالین بنانے کی 15 برس کی تربیت تھی۔ میں 'نقشہ ساز' بن گیا چنانچہ دوسروں کو قالینوں کے کے ڈھانچوں، رنگوں اور ساخت پر ہدایات دیتا تھا۔

میں نے 2014 میں قید کے اٹھارہویں برس اپنی عُمر قید کا دورانیہ مکمل کیا۔ پھر میں نے جرمانہ ادا نہ کرنے کے عوض سزا بھگتی۔ مجھے ادائیگی کے نادہندہ بننے کی وجہ سے تین برس قید کاٹنی پڑی۔ جرمانوں کی عدم ادائیگی پر قید زیادہ سخت تھی۔ یہ بہت تکلیف دہ یاددہانی تھی کہ میں غریب ہوں۔ میرے ساتھ دیگر سزا پانے والے سب جیل سے باہر تھے کیونکہ وہ جرمانہ دینے کی استعداد رکھتے تھے۔

ایک دن مجھے دفتر بلایا گیا۔ وہاں کچھ لوگ میرا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ وہ کون ہیں۔

مگر انہوں نے مجھے نہ بتایا اور کہا کہ وہ مجھے جیل سے باہر نکالنے کے لیے آئے ہیں۔ میرے خیال میں وہ فرشتہ تھے۔ انہوں نے کہا کہ وہ میرا جرمانہ ادا کرنے والے ہیں اور یہ کہ مجھے جیل چھوڑنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اُنہوں نے اصرار کیا کہ وہ وہیں ٹھہریں گے اور میرے ساتھ ہی جیل سے باہر جائیں گے۔ یہ سن کر مجھے اتنی زیادہ خوشی ہوئی کہ مجھے لگا کہ مجھے دل کا دورہ پڑ جائے گا۔ میری دعائیں آخر کار قبول ہوگئی تھیں۔ میں گرجا گیا اور عبادت کی۔ جب میں وہاں تھا کہ کوئی آدمی میری طرف آیا کیونکہ وہ پریشان تھے کہ میں چیخیں مار رہا تھا۔ میں نے جو کچھ ہوا تھا اس کا اسے بتایا تو وہ چلا گیا اور سب کو بتا دیا۔ میرے پاس لوگ آنا شروع ہوگئے انہوں نے مجھے کپڑوں اور جوتوں سمیت تحائف دیے۔ میں نے اپنی چیزیں اکٹھی کیں اور فرشتوں کے پاس چلا گیا۔ انہوں نے اصرار کیا کہ وہ مجھے اُس جگہ اتار دیں گے جہاں میں کہوں گا یا پھر میری ٹکٹ کے پیسے دیں گے مگر میں نے انکار کیا۔

میں نے باہر آ کر ایک دوست کو فون کیا اور وہ مجھے لینے آیا اور اپنے گھر لے گیا۔ جب میں پہنچا تو اس نے سب سے میرا تعارف کروایا اور بتایا کہ میں کیسے کسی کو پریشان نہیں کروں گا اور کیسے دوسروں کے جھگڑے ختم کرواؤں گا۔ اُنہوں نے بہت زیادہ اچھی میزبانی کی اور میں چند دن اُن کے ہاں رہا۔ میں نے اُس شام گھر فون کیا اور اُنہیں بتایا کہ میں چند دنوں تک گھر آ رہا ہوں۔ میں نے طارق سراج کو فون کیا اور عید الاضحی کے دوران اُن کے ساتھ رہا۔

جب میں گھر واپس گیا، مجھے پتہ چلا کہ میرا خاندانی گھر فروخت ہو چکا ہے اور موجودہ گھر کی کافی زیادہ مرمت ہونے والی ہے۔ میں اپنے گھر کی مرمت میں حصہ ڈالنا چاہتا تھا اس لیے میں نے لاہور میں دستانے کاٹنے والی ایک فیکٹری میں کام کرنا شروع کر دیا۔ میں نے ایک کمیٹی کی بھی رقم لی جس کا میں حصہ تھا۔ اُس رقم سے میں گھر کو پلستر کروا سکتا تھا۔ میرا خاندان نہیں چاہتا تھا کہ میں شادی کروں کیونکہ یہ ایک اضافی بوجھ ہوتا اور میری شریکِ حیات چھوٹے سے گھر میں کچھ جگہ لے لیتی۔

میں اپنے والدین کے کمرے میں سوتا ہوں کیونکہ اور کوئی کمرہ دستیاب نہیں ہے۔ شادی کرنے کے لیے میرے پاس پیسے ہونا ضروری ہیں۔ قریب قریب دو ماہ پہلے میں نے اپنی کپڑوں کی دکان کھولی۔ میں دوسروں کے لیے کچھ نچلے درجے کے کام بھی کرتا ہوں۔ کچھ عرصہ تک میں ایک مقامی اسکول میں جسمانی تربیت کار بھی رہا۔ دکان چلانا بہت اچھا کام ہے کیونکہ دن تیزی سے گزرتا ہے حالانکہ اس وقت بھی جب میرے پاس گاہک نہیں ہوتے۔ میں اپنی کھیلوں کی اکیڈمی کھولنا چاہتا ہوں اور عورتوں کو بھی تربیت دینا چاہتا ہوں مگر یہ کام کرنے کے لیے میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔

میں نہیں جانتا کہ میں اپنی زندگی کیسے گزاروں۔ میرے موجودہ مسائل میرے جیل کے مسائل سے زیادہ گھمبیر ہیں۔ میں ڈر گیا تھا جب میں جیل سے باہر آیا تھا کیونکہ میری قید کے دوران بہت کچھ تبدیل ہوگیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں خود کو زندہ تصور نہیں کرتا؛ ایسا لگتا ہے کہ میں موت کا انتظار کر رہا ہوں۔ کئی لوگ مجھ سے دور رہے اس وجہ سے کہ میں قید میں رہا ہوں، مگر دو برس بعد اُن کی رائے تبدیل ہوگئی۔ پولیس مجھے غیر ضروری طور پر گرفتار کر لیتی اور کہتی کہ میں نے خود کو ان کے سامنے پیش نہیں کیا۔ قریب قریب 50 افراد نے مداخلت کی اور ایک اشٹام پر بیان دیا کہ میں ایک معزز انسان ہوں اور میں نے کوئی غلط کام کیا تو وہ اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ اُس کے بعد انہوں نے مجھے پریشان کرنا چھوڑ دیا۔

پاکستان کو سزائے موت ختم کرنی چاہیے کیونکہ عمر قید بذاتِ خود اتنی ظالمانہ ہے اور بندے کو تباہ کر دیتی ہے۔ کچھ اس طرح کا منصوبہ ہونا چاہیے کہ جو لوگ جیل سے نکلیں اُن کی مدد کی جائے تا کہ وہ اپنی زندگی از سر نو شروع کر سکیں۔

جیلوں کو بھی بہت زیادہ اصلاح کی ضرورت ہے۔ وہ بہت گندی ہیں اور مکھیوں و جوؤں سے بھری پڑی ہیں۔ ہمیں کھیلوں کا سامان بھی ملنا چاہیے۔ جیل میں تفریح اور کھیلوں کے لیے ایک خاص وقت سے ہر کوئی تازہ دم اور صحت مند رہے گا۔

آخر میں، میں عبرانیوں 3:13 کی مثال دینا چاہوں گا "جو قید ہیں، اُن کو ایسے یاد رکھیں جیسے آپ بھی اُن کے ساتھ قید ہوں اور اُن کو بھی یاد رکھیں جن کے ساتھ بدسلوکی ہو رہی ہے کیونکہ آپ بھی گوشت پوست کے اِنسان ہیں۔"

میں نہیں جانتا کہ میں اپنی زندگی کیسے گزاروں۔ میرے موجودہ مسائل میرے جیل کے مسائل سے زیادہ گھمبیر ہیں۔ میں ڈر گیا تھا جب میں جیل سے باہر آیا تھا کیونکہ میری قید کے دوران بہت کچھ تبدیل ہوگیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں خود کو زندہ تصور نہیں کرتا؛ ایسا لگتا ہے کہ میں موت کا انتظار کر رہا ہوں۔ کئی لوگ مجھے سے دور رہے اس وجہ سے کہ میں قید میں رہا ہوں، مگر دو برس بعد ان کی رائے تبدیل ہوگئی۔ پولیس مجھے غیر ضروری طور پر گرفتار کر لیتی اور کہتی کہ میں نے خود کو ان کے سامنے پیش نہیں کیا۔ قریب قریب 50 افراد نے مداخلت کی اور ایک اشٹام پر بیان دیا کہ میں ایک معزز انسان ہوں اور میں نے کوئی غلط کام کیا تو وہ اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے پریشان کرنا چھوڑ دیا۔

استحصال کا خاتمہ

ظفرُاللہ خان

مملکت استحصال کی تمام اقسام کے خاتمے اور اِس بنیادی اصول کی تدریجی تکمیل کو یقینی بنائے گی کہ ہر کسی سے اُس کی اہلیت کے مطابق کام لیا جائے گا اور ہر کسی کو اُس کے کام کے مطابق معاوضہ دیا جائے گا۔

آرٹیکل 3، آئینِ پاکستان 1973

شہریوں سے مساوات

تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہیں اور قانونی تحفظات کے مساوی طور پر حقدار ہیں

جنس کی بناء پر کوئی امتیاز نہیں کیا جائے گا۔

اِس آرٹیکل میں مذکور کوئی امر عورتوں اور بچوں کے تحفظ کے لیے مملکت کی طرف سے کوئی خاص اہتمام کرنے میں مانع نہ ہوگا

آرٹیکل 25، آئینِ پاکستان 1973ء

آئین، شناخت اور ابہام

پاکستان میں قومی شناخت کے دو اہم ترین حوالے اولاً مشترک نسلی قومیت (Ethnicity) اور دوئم مذہب ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ آئینِ پاکستان دونوں کو تسلیم کرتا ہے۔

مذہبی تناظر میں قراردادِ مقاصد اور آئین کا آرٹیکل 2 اسلامی محاورے میں لکھے ہیں اور اسلام کو پاکستان کا مملکتی مذہب قرار دیتے ہیں۔ آئین میں اسلامی احکام کا پورا باب ہے جو کہ آرٹیکل 227 سے لیکر 231 تک ہے۔ اِسی طرح آئین کا پہلا آرٹیکل کہتا ہے کہ مملکتِ پاکستان ایک اسلامی جمہوریہ ہوگی جس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہوگا۔ یہ آرٹیکل وفاقی اکائیوں کا نام بھی لیتا ہے۔ نیز آرٹیکل 28 کہتا ہے کہ آرٹیکل 25 (قومی زبان) کے تابع شہریوں کے کسی طبقہ کو جس کی ایک الگ زبان، رسم الخط، یا ثقافت ہو، اُسے برقرار رکھنے اور فروغ دینے اور قانون کے تابع، اس غرض کے لیے ادارے قائم کرنے کا حق ہوگا۔ آئین کا آرٹیکل 251 اردو کو قومی زبان قرار دے کر 15 برس میں اس کے سرکاری استعمال کے لیے انتظامات کی بات کرتا ہے اور اُس وقت تک انگریزی کے استعمال کی اجازت دینے کے علاوہ کہتا ہے کہ "قومی زبان کی حیثیت کو متاثر کیے بغیر، کوئی صوبائی اسمبلی قانون کے ذریعے قومی زبان کے علاوہ کسی صوبائی زبان کو تعلیمی ترقی اور اس کے استعمال کے لیے اقدامات تجویز کر سکے گی۔

اِس دستوری صورتحال کے باوجود مذہبی طبقات آئین کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ بہت سیکولر ہے جبکہ ترقی پسندانہ سوچ رکھنے والے کہتے ہیں کہ یہ بہت زیادہ اسلامی ہے۔ اس کنفیوژن کی وجہ سے پاکستان نظریاتی اور فکری نشیب وفراز کا شکار ہے اور شناخت کی اکثر نشانیاں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔ صوبوں میں بولی جانے والی زبانوں کے حوالے سے سندھ کے علاوہ کسی صوبے نے کچھ خاص کام نہیں کیا۔ قومی اسمبلی اور سینٹ آف پاکستان میں متعدد بار پرائیوٹ ممبر بل کے ذریعے علاقائی زبانوں کو قومی زبان کا درجہ دینے کی کوششیں کی گئیں۔ نسلی قومیت کو ترجیح دینے والے طبقات پاکستانی تکثیریت اور تنوع کو نظرانداز کیے جانے کو مسائل کی جڑ قرار دیتے ہیں۔ زبان اور ثقافت کے علاوہ صوبوں میں مؤثر مقامی حکومت جو کہ آئین کے آرٹیکل 140 الف کا تقاضا ہے کی عدم موجودگی کو اپنے مسائل اور کم نمائندگی کی وجہ قرار دیتے ہیں۔ خصوصاً آئین میں اٹھارہویں ترمیم کے بعد ملنے والی خودمختیاری کو صوبائی دارالحکومتوں میں پارک کر دیا گیا ہے۔ اور اضلاع کے مابین وسائل کی منصفانہ تقسیم کے لیے "صوبائی مالیاتی کمیشن" کمزور ہیں۔ جس کی وجہ سے ہر صوبے سے عوام خصوصاً سیکنڈری کمیونٹی کے افراد محرومیوں کا ذکر کرتے ہیں اور سندھ، خیبر پختونخوا اور پنجاب میں نئے صوبوں کے انتظامی بنیادوں پر قیام کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو چکی ہیں۔

یہ صورتحال گواہی دیتی ہے کہ ہم مساوات، انصاف اور یکساں مواقع سے عبارت ریاست بنانے کے سفر پر ابھی بہت پیچھے ہیں جو کہ ملک کے مختلف حصوں میں رہنے والوں کے بنیادی حقوق اور ان کی سماجی، ثقافتی، معاشی ترقی کے حوالے سے کوئی اچھا شگون نہیں ہے۔

شمولیت

پاکستان میں سماجی شراکت کی محدود راہیں

دستور کی زبان اور قانون کی زبان میں پاکستان کے تمام شہری برابر ہیں لیکن زمینی حقائق بہت تلخ ہیں۔ سماجی شمولیت یا اخراج کا دارومدار اِس بات پر ہے کہ آپ کون ہیں؟ آپ کی جنس، مذہب، عقیدہ، سماجی وطبقاتی حیثیت کیا ہے؟

آپ کس صوبہ کس شہر اور کس علاقہ میں رہتے ہیں؟ آپ کی گروہی شناخت کیا ہے؟ سمجی کی اُفقی اور عمُودی تقسیم کے درجنوں زاویے ہیں، تاہم سچ یہ ہے کہ:

- اگر آپ عورت ہیں تو آپ دوہرے استحصال کا شکار ہیں۔ ایک بطورِ انسان اور ایک دوسرا جو مردوں کے سماج نے عورتوں پر تھونپا ہے۔ عورتوں کے استحصال کی بہت ساری بھیانک شکلیں ہیں۔ عزت کے نام پر قتل، تیزاب گردی، پسند کی شادی پر موت، بیٹا پیدا نہ کرنے پر موت، کام، بازار، پارک، ٹرانسپورٹ میں جنسی ہراسانی۔۔۔ المختصر، دُکھوں کی طویل داستان رقم کی جا سکتی ہے۔
- اگر آپ کا تعلق مذہبی اقلیتوں سے ہے تو سماج میں پھیلے متشدد رویے، سماجی اخراج کے ساتھ ساتھ آپ کی جان بھی لے سکتے ہیں۔ آپ کی جان کے علاوہ، آپ کی اولاد جبری تبدیلی مذہب کا شکار ہو سکتی ہے۔ آپ کی عبادت گاہیں، آبادیاں، گھربار، حتیٰ کہ قبریں تک غیرمحفوظ ہو سکتی ہیں۔ اب تو بات فرقہ واریت کی دلدل میں اکثریتی مذہب کے اندر موجود مختلف عقائد تک آن پہنچی ہے۔
- اگر آپ غریب ہیں تو بندہ مزدور کے اوقات بہت تلخ نظر آتے ہیں۔ جبری مُشقت، بچوں سے مُشقت، ہاریوں کی شکل میں وڈیروں کی نجی جیل، بھٹہ مزدوروں کی پیشگی کے نام پر غلامی، سماجی تحفظ سے محروم عارضی کنٹریکٹ لیبر کا ٹھیکیداری نظام۔۔۔ آپ کے ترقی کے حوالوں کو کھا جانے والے یہ بندوبست دیمک کی طرح موجود ہے۔
- اگر آپ دیہی علاقے میں رہتے ہیں یا آپ کا تعلق کسی چھوٹے موٹے شہر جو دارالحکومت سے دور ہیں یا پھر آپ کا تعلق کسی چھوٹے صوبے سے ہے تو آپ کی پسماندگی کی تصویر بھیانک اور آپ کی محرومیوں کی فہرست طویل ہوگی اور ترقی ایک اُدھورا خواب! تعلیمی امکانات کم اور مواقع نہ ہونے کے برابر۔۔۔۔ ملازمتوں میں اچھے بُرے کوٹہ سسٹم کے باوجود بے روزگاری کا بڑھتا گراف ہوگا۔ اگر آپ ہجرت کر کے کسی بڑے شہر میں آ بھی جائیں گے تو وہاں کی کچی آبادیوں میں رہتے ہوئے آپ کے لیے یہی سارے مسائل ہوں گے۔

نئے مسائل میں آن لائن تعلیم کے حوالے سے ہمیں پاکستان کے کئی علاقوں میں ڈیجیٹل غربت بھی نظر آئی۔

مشکلات، محرومیوں، غربت اور پسماندگی کے ماحول میں نمائندگی کے مواقع کم اور اخراج کی کھائیاں زیادہ ہوئی ہیں۔

سماجی اخراج کی اِس عمومی تصویر پر بہت کچھ لکھا اور کہا جا سکتا ہے۔ تاہم، اِس مختصر تحریر کے لیے دس طبقات کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ان کی صورت حال اخراج کی مجسم کہانی ہے۔ اس کا مقصد اس بات کی وضاحت کرنا ہے کہ مساویانہ شہریت کے خوش نما تصورات آئینی اور قانونی ضمانتوں کے باوجود بعض طبقات کے لیے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

1۔ خواجہ سراء طبقہ

باوجود اس کے کہ خواجہ سراء ہونا خالصتاً ایک طبی صورت حال ہے تاہم اپنی پیدائش سے لے کر زندگی بھر یہ لوگ "ادھورے انسان" کے طور پر سماجی اخراج کا شکار رہتے ہیں۔ گھر سے نکالے جانے سے لے کر تشدد، بقاء کی جدوجہد حتیٰ کہ موت تک کئی کہانیاں ہیں۔ ان کا کام، شناخت، حقوق سبھی کچھ کنفیوزڈ رہتا ہے۔ ماضی قریب تک ان کے لیے شناختی کارڈ تک کا حصول ناممکن تھا۔ 2017 کی مردم شماری میں اعلیٰ عدلیہ کے کہنے پر انہیں گنا گیا اور ان کی ملک بھر میں تعداد 10,418 ریکارڈ کی گئی۔ یہ تعداد اور زیادہ ہوگی کیونکہ سماجی دباؤ کی وجہ سے اکثر اپنی شناخت کا برملا اظہار نہیں کرتے۔ اچھے خاصے بحث ومباحثہ کے بعد پاکستان کی پارلیمان نے 2018 میں خواجہ سراؤں

کے حقوق کے تحفظ کا قانون منظور کیا۔ ان کے لیے شناختی کارڈ کا اجراء ممکن ہوا اور انہیں ووٹ کا حق بھی ملا۔ بعض نے الیکشن بھی لڑا۔ شناختی کارڈ کے علاوہ انہیں ڈرائیونگ لائسنس اور پاسپورٹ بھی مل رہا ہے۔ تاہم زمینی سچ یہ ہے کہ ان کے خلاف تشدد جاری ہے اور ان کے لیے ملازمت یا معاشی سرگرمی کے مواقع محدود ہیں۔ خواجہ سراء کی کہانی ہمیں بتاتی ہے کہ عدالتی فیصلے اور قانون سازی کے باوجود مسائل حل نہیں ہوتے تو یہ سماج سے اخراج، محدود معاشی مواقع اور سوچ کا مسئلہ ہے۔

2۔ (Nomads) خانہ بدوش (پکھی واس)

اپنے معاش کے لیے اپنے مال و مویشی کے ساتھ مسلسل ہجرت میں رہتے ہیں۔ ریاست کے کاغذوں میں یہ لوگ کہیں نہیں رہتے۔ اس طرح یہ نہ تو آدم شماری میں گنے گئے اور نہ ہی ان کا شناختی کارڈ بنتا ہے اور نہ ہی انہیں ووٹ کا حق حاصل ہے کیونکہ ووٹر ہونے کے لیے آپ کا کوئی مستقل یا عارضی پتہ ہونا چاہیے۔ پکھی واس زیادہ تر صوبہ خیبر پختونخوا میں ہیں اور وہاں دہشت گردی کی جنگ کے دوران انہیں چیک پوسٹوں پر شناخت کا بحران رہا۔ آج تک ان کے بنیادی حقوق کے بارے میں بہت کم سوچا گیا ہے۔ ان کی صحت کے مسائل بھی گھمبیر ہیں، تعلیم کے مواقع نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ان کے طرزِ زندگی، رہن سہن کے طریقے اور ثقافت کو بھی معدوم ہونے کے خطرات لاحق ہیں۔

3۔ کچی آبادی کے مقیم سماجی اخراج کی مجسم تصویر

آبادکاری کے حوالے سے اقوامِ متحدہ کے ادارے کے اعدادوشمار کے مطابق، پاکستان کی شہری آبادی کا 46 فیصد کچی/غیر قانونی آبادیوں میں رہتا ہے۔ دنیا کی دوسری بڑی کچی آبادی اورنگی ٹاؤن، کراچی میں ہے۔ پاکستان میں شہریوں کے لیے گھروں کی شدید کمی ہے اور اس کا حل کچی آبادیوں اور بے ہنگم آبادیوں کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ ان آبادیوں میں کچے پکے مکان میں درجنوں افراد رہتے ہیں۔ یہاں زندگی کی بنیادی سہولتیں پینے کا پانی، نکاسی آب وغیرہ میسر نہیں۔ ان کی قانونی حیثیت کے باعث اکثر کچی آبادیوں کے خلاف رسمی آپریشن بھی کیے جاتے ہیں۔ ماضی میں کچی آبادیوں کو ریگولرائز کیا گیا لیکن آج کل ایسی سوچ کا فقدان ہے۔ پاکستان کا دارالحکومت اسلام آباد کہنے کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے بعد بسایا گیا تاہم یہاں بھی درجنوں کچی آبادیاں ہیں۔ شاید شہر بساتے وقت غریب طبقات کی رہائش کا نہیں سوچا جاتا۔ گھر بنانے کا شعبہ اب زیادہ تر نجی شعبے کے ہاتھ میں ہے اور شاید غریب لوگ انہیں بہت زیادہ منافع نہیں ادا کر سکتے۔ حکومتی پالیساں بھی اس حوالے سے اکثر خاموش دکھائی دیتی ہیں۔

بڑی بڑی ہاؤسنگ سوسائٹیوں میں اکثریتی مذہب کے علاوہ دیگر عقائد کی عبادت گاہیں نظر نہیں آتیں بلکہ کچھ عرصہ پہلے پشاور میں مذہبی اقلیت سے تعلق رکھنے والے ایک فرد کو زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا کہ اُس نے مسلمانوں کی آبادی میں گھر کیوں خریدا۔

4۔ بے زمین ہاری

پاکستان میں مؤثر زمینی اصلاحات دیرینہ خواب ہے۔ 2000ء کی زراعت شماری کے مطابق، پاکستان میں زرعی زمین کی ملکیت بہت غیر متوازن ہے۔ غریب کسانوں اور ہاریوں کی اکثریت کے پاس تو زمین ہے ہی نہیں۔ تاہم زراعت کے شعبہ میں 61 فیصد ملکیت 5 ایکڑ سے کم ہے۔ جبکہ 50 ایکڑ یا اس سے زیادہ ملکیت فقط 2 فیصد لوگوں کے پاس ہے۔ زمین کی اس طرح غیر متوازن ملکیت کی وجہ سے ملکی معیشت کے بہت بڑے حصے/شعبے زراعت میں کام کرنے والے طرح طرح کے استحصال کا شکار ہوتے ہیں۔ اور دیہاتی آبادی اور علاقے غربت اور پسماندگی کی مجسم تصویر نظر آتے ہیں۔ اکثریت خطِ غربت سے نیچے ہے اور ان کے لیے حقوق، صحت اور تعلیم کے مواقع خواب رہتے ہیں۔

5۔ خطِ غربت سے نیچے بستے لوگ

غربت کی سرکاری تعریف کبھی روزانہ ایک ڈالر اور کبھی دو ڈالر کمانے والوں کے حوالے سے کی جاتی ہے۔ تاہم سرکاری اعدادوشمار کے مطابق، سات کروڑ سے زائد پاکستانی خطِ غربت سے نیچے رہتے ہیں جو کہ آبادی کا 33 فیصد بنتے ہیں۔ کرونا وائرس کے بعد اس تعداد میں خوفناک اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان میں غریبوں کے لیے بینظیر انکم سپورٹ پروگرام، احساس پروگرام، پناہ گاہیں، بیت المال، لنگر، زکواۃ، اور غربت مکاؤ پروگرام کے علاوہ مائیکرو کریڈٹ کے کئی ادارے کام کر رہے ہیں۔ بہت سارے خیراتی ماڈل پر کام کرتے ہیں جبکہ لوگوں کو غربت سے نکالنے کے لیے ٹھوس معاشی منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ غربت سماجی اخراج کی بدترین شکل ہے اور یہ بجائے بہتر ہونے کے مزید خراب ہو رہی ہے۔

6۔ کوٹہ سسٹم

ایک طرف غربت اور پسماندگی کے سایوں میں تعلیم کے مواقع بہت محدود ہیں تو ملک کے مختلف حصوں میں میسر تعلیم کا معیار بھی ایک سوالیہ نشان ہے۔ نتیجتاً، ملک میں بے روزگاری کا ایک طوفان ہے جو کہ پاکستان جیسے ملک جس کی 60 فیصد سے زائد آبادی نوجوانوں پر مشتمل ہے، کے لیے کوئی اچھا شگون نہیں۔

پاکستان میں کوٹہ سسٹم کسی نہ کسی انداز میں 1948 سے رائج ہے۔ 1973 کے آئین میں اسے ایک دہائی کے لیے تحفظ دیا گیا۔ ڈیڈ لائن کا شاید مقصد یہ تھا کہ دس سالوں میں ہم ملک بھر میں متوازن ترقی اور یکساں تعلیمی مواقع فراہم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ آئین میں دو تین بار ترمیم کر کے کوٹہ سسٹم کو آئین کی چھتری 40 سال تک فراہم رہی جو کہ 2013 میں ختم ہوگئی۔ اب کوٹہ سسٹم کو انتظامی حکمنامے کے ذریعے نافذ کر دیا گیا ہے۔ اس حوالے سے کراچی، حیدرآباد، سکھر سے احتجاجی آوازیں آتی ہیں کہ یہ میرٹ کا قتل ہے۔ تاہم پسماندہ علاقے ہنوز پسماندہ ہیں اور وہ کوٹہ پر عملدرآمد نہ ہونے کا شکوہ کرتے ہیں۔ اس طرح خواتین اور مذہبی اقلیتوں اور خصوصی افراد (معذوریوں کے شکار افراد) کے لیے کوٹے کے اندر کوٹہ رکھا گیا اور اس حوالے سے بھی صورت حال کوئی حوصلہ افزاء نہیں۔ علامتی طور پر چھوٹی چھوٹی نوکریاں ان طبقات کو دے کر فقط گنتی پوری کی جاتی ہے۔ اس طرح اس ٹوکن ازم سے یکساں مواقع خواب ہیں۔

7۔ خصوصی افراد (معذوری کے حامل افراد)

اگرچہ پاکستان میں خصوصی افراد (معذوری کے حامل افراد) کے حوالے سے مصدقہ اعدادوشمار موجود نہیں تاہم ان کے لیے کام کرنے والے ادارے اور تنظیمیں دعویٰ کرتی ہیں کہ ان کی تعداد تین کروڑ، تیس لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ پاکستان نے خصوصی افراد کے حقوق کے میثاق پر 2011 میں دستخط کیے۔ حال ہی میں پارلیمان نے اسلام آباد کی حد تک ایک قانون بھی منظور کیا ہے۔ انتظامی حکمنامے کے ذریعے ان کا ملازمتوں میں کوٹہ بھی رکھا گیا ہے۔ عدالتِ عظمیٰ، پاکستان نے اپنے ایک حالیہ فیصلے میں خصوصی افراد کے بارے میں منفی اصطلاحات کے استعمال کی بھی ممانعت کی ہے۔ تاہم سرزمین پر جابجا خصوصی افراد سماجی اخراج کا شکار نظر آتے ہیں۔ تعلیم کے مواقع ہوں یا صحت کی سہولیات، سرکاری عمارتوں تک رسائی کا سوال ہو یا زندگی کے عام معمول۔۔۔ عمارتوں کا فنِ تعمیر بھی خصوصی افراد کے لیے مناسب نہیں ہے۔ نتیجتاً، یہ لوگ خیراتی ماڈل پر زندہ ہیں اور شدید سماجی و معاشی مشکلات کا شکار رہتے ہیں۔

8۔ قیدی

پاکستان کی جیلوں میں قید افراد کی تعداد مارچ 2020 میں 77,275 تھی جبکہ ان جیلوں کی کل گنجائش 57,742 ہے۔ ان قیدیوں میں سے 65 فیصد یعنی 48,008 زیرِ سماعت قیدی ہیں۔ عدالتوں میں سینکڑوں مقدمات زیرِ التواء ہیں۔ جیلوں میں مناسب سہولیات کا فقدان ہے اور قیدیوں کے حقوق اور انصاف کے حوالے سے یہ تصویر قطعاً حوصلہ افزاء نہیں۔ حکومت، عدالتِ عظمیٰ، وفاقی محتسب، سول سوسائٹی اس حوالے سے آواز اٹھاتی رہتی ہے لیکن قیدیوں کے حالات بہتر نہیں ہو سکے۔

9۔ مذہبی اقلیتیں

پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کی صورت حال اچھی خاصی تشویش ناک ہے۔ سماج میں اقلیتوں کے خلاف تشدد رویے اور عدم رواداری کے اظہار کئی بار سامنے آئے ہیں۔ اقلیتوں کے رہائشی علاقوں پر حملے، جبری تبدیلی مذہب (خصوصاً بچیوں) کے واقعات، ان کی قبروں کی توڑ پھوڑ، کمتر ملازمتیں، نئی رہائشی آبادیوں میں ان کے لیے غائب جگہ (خصوصاً عبادت گاہوں سے) کوئی اچھی روایات نہیں ہیں۔ سیاسی عمل میں ان کی شمولیت اور نمائندگی، تعلیم کے مواقع اور روزگار کے امکانات بھی بہت کم ہیں۔

10۔ صنفی تفاوت

عالمی معاشی فورم کے صنفی گوشوارے میں پاکستان کا درجہ 153 ممالک میں سے 151 ہے۔ صرف عراق اور یمن اس حوالے سے ہم سے پیچھے ہیں۔ خواتین کی سماجی مشکلات کا تذکرہ تو پہلے کیا جا چکا ہے۔ یہ گوشوارے ان کی معیشت میں شمولیت، تعلیمی کامیابی، صحت اور سیاسی شمولیت کے حوالے سے ہے۔ معاشی حوالے سے صنفی تفاوت 33 فیصد ہے جبکہ خواتین کی غالب اکثریت بغیر یا کم تر معاوضہ پر کام کرتی ہے۔

فیکٹ فائنڈنگ مشن کے لیے رہنماء اصول

اِس دستاویز میں بیان کیے گئے اصول وضوابط کا اطلاق ان تمام فیکٹ فائنڈنگ مشنوں پر ہوگا جو ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کی زیرِ قیادت انجام دیے جائیں گے۔ ان مشنوں کی منظوری عمومی اسمبلی (General Body) اور انتظامی کونسل (Executive Council) ے ایماء پر چیئرپرسن دیتے ہیں۔ ہر ایک مشن کا مقصد انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں، متعلقہ حقائق کی چھان بین اور انسانی حقوق کی صورتحال کا جائزہ لینا ہے، چاہے خلاف ورزی ریاست کے اہلکاروں نے کی ہو یا غیر ریاستی عناصر نے، اور مشن کا ماحصل رپورٹ کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

بنیادی اصول

☆ تحقیقات کے اصول۔ ایچ آر سی پی کے فیکٹ فائنڈنگ مشن سے منسلک تمام افراد (ٹیم کے تمام اراکین) ہمہ وقت اپنا کام آزاد، غیر متعصب، غیر جانبدار، قانونی اور اخلاقی انداز میں انجام دیں گے۔

☆ استعداد سازی۔ جہاں تک ممکن ہو سکے، تمام عملے، کونسل اراکین، اور عمومی اسمبلی کے اراکین جو ایچ آر سی پی کے علاقائی دفاتر اور مرکزی دفتر کے ساتھ منسلک ہیں، کو فیکٹ فائنڈنگ مشنوں کی تربیت حاصل کرنی چاہیے تاکہ وہ درج ذیل صلاحیتوں سے لیس ہو سکیں:

☆ غیر جانبداری پر یقینِ محکم

☆ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے متاثرین اور اُن کے اہلِ خانہ، خاص طور پر پسے ہوئے طبقوں یا برادریوں کے ساتھ اور دیگر گواہان کے ساتھ مؤثر طریقے سے گفت وشنید کرنے کی استعداد

☆ رپورٹنگ سے متعلقہ مشن کی شرائط وضوابط پر پورا اترنے کی صلاحیت

☆ مشن کے دوران، ذہنی دباؤ اور نفسیاتی صدمے کے ادراک اور اس سے نپٹنے کی صلاحیت

مِشن کا دائرہ کار اور قواعد وضوابط (ٹی او آرز)

ٹیم کو مشن سے قبل، ڈائریکٹر کی مشاورت سے، ٹی او آرز کا مسودہ تیار کرنا چاہیے جن میں باعث تشویش معاملے، تحقیقات، اور مشن کے بعد پالیسی/ضوابط سے متعلق سفارشات کے دائرہ کار کا تعین کیا گیا ہو۔

رپورٹیں

فیکٹ فائنڈنگ رپورٹیں واضح اور درست ہونی چاہییں؛ اور شفافیت وغیر جانبداری کو یقینی بنانے کے لیے مشن کے دوران جمع ہونی والی تمام معلومات پر مشتمل ہونی چاہییں۔

یکجہتی کے دورے

اگر انسانی حقوق کی خلاف ورزی یا کسی پریشان کُن صورتحال سے متعلق حقائق پہلے ہی عوام کے علم میں ہوں (مثال کے طور پر، قابلِ بھروسہ ذرائع ابلاغ یا اداروں کے ذرائع یا دیگر عوامی دستاویزات کے ذریعے) اور اس معاملے پر مزید تحقیقات کی ضرورت نہ ہو تو پھر فیکٹ فائنڈنگ مشن بھیجنے کی بجائے، متاثرین کی اخلاقی مدد کے لیے یکجہتی کا دورہ کیا جا سکتا ہے۔

بیانات اور رازداری

فیکٹ فائنڈنگ مشن کے بارے میں ادارے کی طرف سے بیانات جاری کرنے کا اختیار صرف چیئرپرسن، سیکرٹری جنرل اور/یا اعزازی ترجمان کو حاصل ہے۔

فیکٹ فائنڈنگ مشن کی رپورٹس اور خُلاصے صرف ایچ آر سی پی کے اپنے ذرائع (ایچ آر سی پی کی ویب سائٹ اور سوشل میڈیا اکاؤنٹس سمیت) سے تقسیم ہو سکتے ہیں۔ اُس وقت تک، ٹیم کے تمام اراکین اور عملے کے تمام متعلقہ افراد یا کونسل اراکین نتائج کی رازداری یقینی بنائیں گے۔

موضوع کا انتخاب

☆ فیکٹ فائنڈنگ کے لیے کسی بھی موضوع کی چیئرپرسن، سیکرٹری جنرل اور ڈائریکٹر سے منظوری ضروری ہے۔

☆ کسی مالی سال کے دوران، انسانی حقوق کے عام معاملات پر پانچ سے زیادہ فیکٹ فائنڈنگ مشن نہیں بھیجے جا سکتے۔ البتہ، انسانی حقوق کی کسی خلاف ورزی یا پریشان کُن صورتحال کے ردِعمل میں حسبِ ضرورت، زیادہ فیکٹ فائنڈنگ مشن بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔

ٹیم کے اراکین کا چُناؤ

☆ ہر ٹیم کا ایک رہنماء ہونا چاہیے اور ایچ آر سی پی سٹاف کا ایک تربیت یافتہ رُکن جو بطورِ رپورٹیئر کام کرے (انٹرویوز کے دوران نوٹس لینے کا ذمہ دار) ٹیم کا حصہ ہونا چاہیے۔

☆ عمومی اسمبلی یا عملے کا ایک نوجوان رکن بھی فیکٹ فائنڈنگ مشن کے ہمراہ ہوتا کہ اُسے فیلڈ میں کام کا تجربہ مل سکے۔

☆ سیکرٹری جنرل اور ڈائریکٹر فیصلہ کریں گے کہ آیا کتنے صحافی، عورتیں، اور اقلیتوں کے نمائندے مشن کے ہمراہ ہوں گے۔ دیگر لوگ (مثال کے طور پر ترجمان) کو بھی مشن میں شامل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اُن کے پاس ضروری مہارت اور تجربہ ہو۔ سیاسی وابستگیاں رکھنے والے افراد کو ٹیم کا رُکن نہیں بنایا جا سکتا۔

☆ ٹیم رُکن کے چُناؤ کے وقت، پسے ہوئے طبقے یا اقلیتی برادری سے (صنف، مذہب، یا لسانیت یا علاقے کی بنیاد پر) کسی فرد کا تقرر کرتے وقت اِس امر کو مدِنظر رکھا جائے کہ کہیں اُن کی شمولیت سے اُن کی اپنی یا مشن کی سلامتی تو خطرے میں نہیں پڑ جائے گی۔

☆ فیکٹ فائنڈنگ مشن رپورٹیں تحریر کرنے کا کام صرف ایچ آر سی پی سٹاف کے تربیت یافتہ اراکین کریں گے یا یہ رپورٹیں اُن کی مشاورت سے لکھی جائیں گی۔

تیاری

☆ **مشن کی روانگی سے قبل مختصر جائزہ۔** ٹیم مشن سے قبل ڈائریکٹر کے ہمراہ، متعلقہ معاملے اور مشن کے دائرہ کار کا مختصر جائزہ لے گی۔ اس جائزے میں مشن کی ضرورت سے متعلق مواد اور متعلقہ ثقافتی، معاشی، سیاسی، تاریخی، اور قانونی معلومات پر نظر ڈالی جائے گی۔

☆ **قواعد وضوابط اور دائرہ کار۔** اُوپر مذکور مختصر جائزے کے بعد، مشن کے دائرہ کار اور قواعد وضوابط (ٹی او آرز) کا واضح اور جامع مسودہ تیار کیا جائے جس میں ابتدائی حقائق، مشن کا شیڈول، پوچھے جانے والے سوالات، نیز جن سے سوالات پوچھے جائیں گے ان کے نام/عہدے/ادارے، اور فیلڈ میں موجود لوگوں سے رابطے کے متعلق معلومات ہونی چاہییں۔ ٹی او آرز میں شفاف اور رضاکارانہ رپورٹنگ پر زور دیا جائے اور ان میں پہلے سے اخذ شدہ نتائج کی جھلک نہیں ملنی چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ، ٹی او آرز غیر لچکدار نہیں ہونے چاہییں، اور ٹیم کو تحقیقات کے دوران مشاہدے میں آنے والی انسانی حقوق کی دیگر خلاف ورزیوں پر تبصرے کی اجازت بھی دیں۔

- ☆ کن سے رابطہ کیا جائے۔ٹیم کو انسانی حقوق کی پامالی کے متاثرین اور ان کے اہل خانہ، عدالتی و قانونی برادری کے اراکین، ذرائع ابلاغ کے اراکین، متعلقہ سرکاری حکام، حزب اختلاف کے اراکین، قانون نافذ کرنے والے ادارے اور دیگر سویلین ایجنسیوں، مقامی انتظامیہ کے اہلکاروں، انسانی حقوق کی مقامی تنظیموں، سیاسی کارکنوں، اور ماہرینِ تعلیم سے رابطہ کرنا چاہیے اور ملاقات کے لیے اُن کی آمادگی معلوم کرنی چاہیے۔
- ☆ **تحقیق۔**ٹیم کو اسی صورتحال پر ماضی میں ہونے والے کسی کام، اور سابقہ مشنوں اور عوامی بیانات کے اثرات کو ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے۔
- ☆ **روانگی سے قبل تیاری۔**ٹیم کو سفر، دیگر انتظامات، موقع پر مناسب طرزِ عمل اور دیگر متعلقہ امور کے بارے میں روانگی سے قبل سوچ بچار کرنا چاہیے۔مدد کے لیے ایچ آرسی پی کے عملے سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

تحقیقات کا طریقہ کار

ٹیم متعلقہ مقامات کے دوروں، ٹیلی فون کالوں، اور مقامی قوانین و روایات کے جائزوں سے کوائف اکٹھا کر سکتی ہے تا کہ صورتحال کی متوازن اور جامع تصویر سامنے آسکے۔

مشن کی مکمل کامیابی کے لیے درج ذیل امور پر توجہ انتہائی ضروری ہے

کسی انٹرویو یا ملاقات سے پہلے

- ☆ کیا آپ نے تمام متعلقہ معلومات کے حصول کے لیے مناسب وقت مختص کیا ہے؟
- ☆ کیا انٹرویو کرنے والے فرد کے پاس انٹرویو کرنے کی استعداد اور مہارت ہے؟ خاص طور پر پسے ہوئے طبقوں کے لوگوں کے انٹرویو کے ضمن میں، جہاں انٹرویوز دینے والا فرد انٹرویو کے دوران ذہنی دباؤ یا صدمے جیسی صورتحال سے دوچار ہوسکتا ہے۔
- ☆ کیا اُس وقت وہاں انٹرویو یا ملاقات کے دوران ٹیم کے کم ازکم دو دیگر اراکین موجود ہوں گے؟
- ☆ کیا انٹرویو/ بیان دینے والا فرد انٹرویو کے دوران اپنی معاونت کے لیے وہاں اپنے کسی مددگار کی موجودگی کا خواہشمند ہے؟
- ☆ کیا انٹرویو/ بیان دینے والا فرد انٹرویو کے دوران وہاں کسی خاص فرد کی موجودگی سے پریشان یا بیزار تو نہیں ہے؟
- ☆ کیا آپ نے بیان دینے والے فرد سے، اُس کا انٹرویو کرنے یا مستقبل میں اُسے استعمال کرنے کی رضامندی لی ہے؟
- ☆ اگر نہیں تو، آپ کو اُن کی خواہشات کا احترام کرنا ہوگا۔
- ☆ کیا آپ نے اُنہیں وضاحت کے ساتھ بتایا تھا کہ انٹرویو کا مقصد کیا ہے؟

مشن کے دوران

- ☆ تمام متعلقہ مواد اور دستاویزات (مثال کے طور پر ابتدائی اطلاعاتی رپورٹ اگر درج/ دستیاب ہے) کا جائزہ لیں۔
- ☆ معلومات دینے والے لوگوں کی رازداری کو یقینی بنائیں اگر انہوں نے اِس کی درخواست کی ہو، اور اُن کی شناخت معلوم ہونے پر اُن کی سلامتی خطرے میں پڑنے کے خدشات موجود ہوں۔
- ☆ مشن کے دوران پیش آنے والی کسی قسم کی متعلقہ رکاوٹوں کو قلمبند کریں۔
- ☆ اگر کسی متعلقہ فریق نے بیان دینے/ اظہارِ خیال سے انکار کیا تو اسے نوٹ کریں (اور اسے حتمی رپورٹ کا حصہ بنائیں)۔
- ☆ ابتدائی دوروں کے بعد، مبینہ حقائق کی کسی خودمختار تیسرے فریق سے تصدیق کروائیں۔
- ☆ اگر یہ ممکن نہ تو اسے قلمبند کرلیں۔
- ☆ حتمی رپورٹ کے لیے سارا مواد اکٹھا کریں اور اس پر متعلقہ تاریخوں کا اندارج کریں۔
- ☆ ہر صفحے کی تصویر اور سکین لیں اور بیک اپ کے لیے، اسے خود کو ای میل کریں۔
- ☆ اپنے اصلی نوٹس اور ریکارڈنگز کو کسی محفوظ جگہ پر رکھیں۔

مشن کے بعد

- ☆ ٹیم کو اجتماعی طور پر اپنے نتائج اور سفارشات مرتب کرنے چاہییں۔
- ☆ اگر کسی ٹیم رُکن کے اختلافی آراء ہیں تو اُنہیں رپورٹ کا حصہ بنائیں۔
- ☆ ٹیم اراکین کو جہاں ضرورت پڑے، مشن کے بعد صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے ایک اجلاس منعقد کرنا چاہیے تا کہ ٹیم یا ٹیم کا کوئی رُکن کسی قسم کے ذہنی دباؤ یا صدمے ایسی صورتحال سے دوچار ہے تو وہ اس کا حل نکال سکیں۔

فیکٹ فائنڈنگ مشن کی رپورٹ

ابتدائی رپورٹ کا ایک سے زائد زبانوں میں ہونا ضروری نہیں، کیونکہ ضرورت پڑنے پر اِس کا ترجمہ ہوسکتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہوسکے، تمام حتمی رپورٹیں انگریزی اور اُردو میں ہونی چاہئیں (اور ضرورت پڑنے پر کسی اور علاقائی زبان میں)۔

رپورٹ میں درج ذیل مندرجات کا ہونا ضروری ہے:

- ☆ خلاصہ، بشمول ایچ آرسی پی کا دائرہ اختیار اور مشن کی وجوہات
- ☆ مشن کے ٹی او آرز
- ☆ ٹیم کے اراکین کے نام اور تفصیلات
- ☆ مشن کی تاریخیں اور مقامات
- ☆ پس منظر کے حوالے سے مناسب معلومات اور قابلِ اطلاق قوانین
- ☆ مشن کے دوران استعمال کیا گیا طریقہ کار، خاص طور پر انٹرویوز کے حوالے سے۔
- ☆ جن علاقوں کا دورہ کیا گیا اور جن تنظیموں اور لوگوں کے انٹرویوز کیے گئے، اُن کی ایک فہرست
- ☆ اگر معلومات کے کوئی اور ذرائع بروئے کار لائے گئے ہیں تو اُن کی فہرست

مشن کے نتائج

- ☆ نتائج اور سفارشات۔ جن لوگوں/ اداروں سے سفارشات کی جائیں، اُن کی نشاندہی ضروری ہے۔
- ☆ مشن کی تکمیل کے بعد مناسب مدت کے اندر رپورٹ شائع ہوجانی چاہیے۔

متعلقہ فریقین کی طرف سے اگر کوئی اختلافی آراء ہوں، نیز بعد میں اگر کوئی اہم پیش رفتیں ہوئی ہوں تو ضرورت پڑنے پر انہیں رپورٹ کا حصہ بنایا جاسکتا چاہیے۔

رپورٹ لوگوں، خاص طور پر مشن والے علاقے کے باشندوں کی پہنچ میں لائی جائے۔

مشن کے بعد

- ☆ رپورٹ کی سفارشات پر عملدرآمد کی صورتحال پر نظر رکھیں، ترجیحی طور پر ایک ورکنگ گروپ کے ذریعے۔
- ☆ فیکٹ فائنڈنگ مشن نے جن لوگوں کے انٹرویو کیے تھے، اُن کی سلامتی پر نظر رکھیں۔ جہاں ضرورت پڑے، موصول ہونے والی دھمکیوں پر فوری ردِعمل ظاہر کریں۔ اِس ضمن میں، حکومت کو آگاہ کرنے، حفاظتی اقدامات کرنے، اور عالمی برادری کو مطلع کرنے جیسے اقدامات کیے جاسکتے ہیں۔
- ☆ ٹیم کی کارکردگی اور مشن کے قواعد وضوابط سمیت تمام اُمور کا جائزہ لیں تا کہ حسبِ ضرورت تبدیلی کی گنجائش موجود رہے۔

عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے قوانین

حصہ اول: صنفی امتیاز اور اس پر مبنی تشدد- اقسام اور قوانین

اس سے قبل کہ ہم عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے موجود قوانین کا جائزہ لیں، یہ لازم ہے کہ ہم معاشرے میں عورتوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک، صنفی تشدد کی بنیاد اور اس کی مختلف اقسام کے بارے میں جانیں۔

جنس اور صنف کا فرق

عورت اور مرد کے مابین جنس اور صنف کے فرق اور معاشرے میں اس سے پیدا ہونے والے مسائل کو سمجھنا بنیادی عمل ہے۔

جنس: عورت اور مرد کے مابین حیاتیاتی فرق (Biological Difference) جنس یعنی Sex کہلاتا ہے۔

صنف: عورت اور مرد کے مابین سماج کی طرف سے متعین کردہ فرق، صنف یعنی Gender کہلاتا ہے۔

مثال کے طور پر عورت اور مرد کے جسم کی ساخت اور ان کے اعضاء کا فرق جنسی فرق ہے جب کہ معاشرے کی طرف سے یہ طے کیا جانا کہ کون سا پیشہ کون اپنائے گا، صنفی فرق ہے۔

صنفی کردار، خلا اور مسائل:

اب ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ کس طرح معاشرہ عورت اور مرد (بچہ یا بچی) کے لئے ان کے جنس کی فرق کی بنیاد پر صنفی کردار متعین کرتا ہے، کس طرح اس صنفی کردار کی بنیاد پر مرد اور عورت کے مابین ایک صنفی خلا جنم لیتا ہے اور کس طرح یہی خلا صنفی مسائل کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔

صنفی کردار: عورت اور مرد یا لڑکے اور لڑکی کا وہ کردار جو خاندان یا معاشرہ اسے دیتا ہے۔

مثال کے طور پر کہ لڑکا پڑھے گا، باہر کی دنیا میں جائے گا، کمائے گا، خاندان کا مالک ہوگا۔

جب کہ لڑکی گھر رہے گی، امور خانہ داری نبھائے گی وغیرہ وغیرہ۔

صنفی خلا: جب خاندان یا معاشرہ عورتوں اور مردوں کے صنفی کردار پدرشاہی سوچ کے تحت ترتیب دیتا ہے تو اس سے صنفی خلا جنم لیتا ہے۔

مثال کے طور پر جب لڑکا پڑھے گا اور لڑکی گھر رہے گی، لڑکا باہر کی دنیا سے تعلق رکھے گا اور کمائے گا جب کہ لڑکی صرف امور خانہ داری ہی سنبھالے گی تو وہ مرد کے دست نگر ہی رہے گی۔

صنفی خلا کی مثالیں

پڑھا لکھا مرد	ان پڑھ عورت
باروزگار مرد	بے روزگار عورت
کمانے والا	کھانے والی
بااثر مرد	کمزور عورت
حاکم مرد	محکوم عورت

صنفی مسائل: پدرشاہی سوچ سے پلنے والا یہی صنفی خلا، صنفی مسائل کو جنم دیتا ہے اور اس کی سب سے گھناونی شکل "صنفی تشدد" کی صورت میں نظر آتی ہے۔ جب مرد سمجھتا ہے کہ وہ حاکم اور بااثر ہے تو وہ عورت کے ساتھ جیسا سلوک رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے۔ اسی رویے کی بدولت کم عمری کی شادی، عورتوں کی مار پیٹ، بے جوڑ شادیاں، جنسی زیادتی، ہراسانی اور عورتوں کی خرید وفروخت جیسے مسائل جنم لیتے ہیں۔

صنفی تشدد کی اقسام

جسمانی تشدد

مار پیٹ، بدن کے اعضا کو تکلیف / نقصان پہنچانا، گھسیٹنا، جلا دینا، تیزاب پھینکنا

جنسی تشدد

ریپ، جنسی ہراسانی، جنسی اعضا کو تکلیف دینا، زبردستی جنسی عمل کرنا

نفسیاتی تشدد

گالم گلوچ، کسی کو حقیر جاننا اور مسلسل اس کا اظہار کرنا، جنسی ہراسانی، چھیڑ چھاڑ کرنا

تشدد کی یہ تمام اقسام گھر کے اندر (گھریلو تشدد) یا گھر کے باہر وقوع پذیر ہوتی ہیں۔

خواتین پر تشدد کی روک تھام کے قوانین

آیئے اب ان قوانین کا جائزہ لیتے ہیں جو صنفی تشدد کی مختلف اقسام کو روکنے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔ یہ قوانین مندرجہ ذیل ہیں:

تیزاب سے جلانے کے خلاف قانون

(بمطابق پاکستان کریمنل ایکٹ 2011، پینل کوڈ ترمیمی سیکشن 332)

12 دسمبر 2011 کو تشدد کی خوفناک شکل تیزاب گردی کے واقعات کی روک تھام کیلئے تعزیرات پاکستان میں سیکشن 332 میں ترمیم کی گئی اور ساتھ دو دفعات 336-A، 336-B کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس قانون کے مطابق ایسا فعل یا عمل جس کے تحت تیزاب یا کیمیکل کے ذریعے چہرے یا جسم کے کسی حصے کو خراب کیا جائے یا کوشش کی جائے اس جرم کی تعریف میں آئے گا۔ اس جُرم کی سزا عمر قید یا ایسی قید جو 14 سال سے کم نہ ہو اور اس کا کم از کم جُرمانہ دس لاکھ روپے ہے۔ یہ جُرم نا قابل ضمانت اور نا قابل راضی نامہ بنا دیا گیا ہے۔

خواتین سے متعلقہ فرسودہ رسومات کے خلاف قانون

(ترمیمی سیکشن 310، 498 ایکٹ 2011ء)

23 دسمبر 2011ء کو پاکستان کی قانون ساز اسمبلی نے درج ذیل فرسودہ رسومات کو بھی قانون کے دائرے میں لاتے ہوئے جُرم قرار دے دیا۔

قرآن مجید سے شادی کی ممانعت (498-C)

تعزیرات پاکستان کے قانون 498-C کے مطابق جو کوئی بھی قرآن مجید سے شادی پر مجبور کرے گا، اس کا بندوبست کرے یا اُس کی سہولت فراہم کرے وہ سات سال تک کی سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ لیکن اس سزا کی مدت کسی صورت میں تین سال سے کم نہ ہوگی اور اس کے علاوہ پانچ لاکھ تک جرمانہ بھی ادا کرے گا۔

کسی خاتون کو وراثتی جائیداد سے محروم کرنے کی ممانعت

جو کوئی بھی دھوکہ دہی سے یا غیر قانونی طریقے سے وراثت کی تقسیم کے وقت کسی بھی خاتون کو جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ کی وراثت پانے سے محروم کرے گا۔ جس کی سزائے قید دس سال تک ہوگی لیکن پانچ سال سے کم نہ ہوگی اور دس لاکھ روپے تک جُرمانہ یا دونوں سزاؤں کا مستحق ہوگا۔

صلح کرنے کے عوض کسی عورت کو ونی/ سوارہ کرنا

کسی عورت کو ونی/ چٹی/ سوارہ کرنے کے مرتکب افراد یا اس سلسلے میں سہولت کاری کرنے والا بھی سزا کا مستحق ہوگا۔ جس کی سزا کم از کم تین سے سات سال تک کی سزا اور پانچ لاکھ روپے جُرمانہ ہوسکتا ہے۔

کسی خاتون کی زبردستی شادی کرنا

جو کوئی بھی کسی عورت کی زبردستی شادی کرے گا یا اس

سلسلے میں سہولت کاری دے گا سزا کا مستحق ہوگا۔جس کی سزا تین سے سات سال تک قید اور پانچ لاکھ جُرمانہ ہے۔

نوٹ: یہ جُرم نا قابلِ صلح (non-compoundable) ہونے کی وجہ سے نا قابلِ معافی ہے ۔حتیٰ کہ فریقین میں کوئی معاہدہ طے پا جانے کے باوجود بھی قابلِ سزا جرم تصور ہوتا ہے۔

ریپ کا قانون: فوجداری قانون (ترمیمی) (ریپ سے متعلق جرائم) ایکٹ 2016

ریپ کی تعریف: ایک شخص پر ریپ کا جرم عائد ہوتا ہے اگر اس نے درج ذیل پانچ حالتوں میں سے کسی ایک میں بھی جنسی عمل کا ارتکاب کیا ہو:

1: عورت کی مرضی کے خلاف

2: اسکی رضامندی کے بغیر

3: اسکی رضامندی کے ساتھ، لیکن اگر اسے موت کی دھمکی دے کر یا اسے خوف وہراساں کر کے۔

4: اس کی رضامندی سے، جبکہ مرد جانتا ہے کہ اس عورت کی شادی اس سے نہیں ہوئی اور عورت نے رضامندی اس لیے دی ہے کہ اس کا ماننا ہے کہ مرد وہ دوسرا شخص ہے جس سے اُسکی شادی ہوئی ہے۔

5: اس کی رضامندی کے ساتھ، جبکہ اس کی عمر سولہ سال یا سولہ سال سے کم ہو۔

سزا: کسی بھی عورت کے ساتھ ریپ کی زیادہ سے زیادہ سزا سزائے موت اور/یا پچیس سال قید اور/یا جرمانہ ہے۔

ریپ کے کیس کو رپورٹ کرنے کا طریقہ کار:

1۔متاثرہ شخص کو پولیس اسٹیشن میں اس کیے ساتھ ہوئی زیادتی کی رپورٹ درج کروانے اور بیان جاری کروانے کی ضرورت ہے۔

2۔پھر پولیس متاثرہ شخص کے بیان کا جائزہ لیتی ہے کہ آیا قابل شناخت جرم کیا گیا ہے یا نہیں۔

3۔مجسٹریٹ اپنے دائرہ اختیار میں آنے والے پولیس اسٹیشن کے کام کی نگرانی کرتا ہے۔تاہم اگر کوئی پولیس آفیسر کوئی مناسب ثبوت دیکھتا ہے تو وہ اس جرم کی تحقیقات کرسکتا ہے۔

4۔عدالت کو اس بات کا ادراک ہے کہ اگر اس کو کسی جرم کا علم ہوتا ہے تو وہ ملزم کے خلاف عدالتی کاروائی کا آغاز کر سکتی ہے۔

عدالت مندرجہ ذیل چیزوں کو مدنظر رکھے گی۔

☆ آیا کہ یہ جرم عدالت کے دائرہ کار میں سرزد ہوا ہے یا نہیں ہوا۔

☆ آیا کہ یہ جرم عدالت کے علاقائی دائرہ کار میں سرزد ہوا ہے۔

☆ جرم کے ذمہ دار افراد کون ہیں۔

☆ عدالت کی رائے اس جرم کے لیے کافی حد تک موجود ہے۔

☆ فوجداری طریقہ کار کوڈ پولیس کو شکایت کنندہ کے ذریعے ایف آئی آر درج کرنے میں تاخیر یا انکار کرنے میں کوئی صوابدید نہیں دیتا ہے۔

ریپ کے معاملے کو ثابت کرنے کے اجزاء

1: طبی معائنے کا ثبوت

2: پولیس کے پاس ایف آئی آر کا وقت

3: موقع کا گواہ

4: شکایت کنندہ کا بیان

ریپ کے معاملے کو بڑھانے والے عوامل

1: جرم کی سنگینی

2: ملزم کا برتاؤ

3: پیشگی منصوبہ بندی اور ارادہ ءجرم

4: مجرم کی شادی شدہ حیثیت

5: ملزم سے تعلق

حصہ دوئم: عائلی قوانین

اہم دفعات:

دفعہ 5: شادیوں کی رجسٹریشن

1۔ اسلامی (مسلم) قوانین کے تحت ہونے والی ہر شادی اس آرڈیننس (حکمنامہ) کے احکام کے مطابق رجسٹر کروائی جائے گی۔

2۔ اس آرڈیننس (حکمنامہ) کے تحت شادیوں کی رجسٹریشن کے مقاصد کیلئے یونین کونسل ایک یا ایک سے زائد افراد کو لائسنس جاری کرے گی جن کو نکاح رجسٹرار کہا جائے گا۔لیکن کسی صورت میں کسی ایک وارڈ کے لئے ایک سے زائد نکاح رجسٹرار کو لائسنس جاری نہیں کیا جائے گا۔

3۔ ہر شادی جس کی نکاح خوانی رجسٹرار نے ادا نہ کی، اس آرڈیننس (حکمنامہ) کے مطابق مقاصد کی تکمیل کے لئے وہ شخص جس نے شادی کی نکاح خوانی کی ہو، متعلقہ مقررہ نکاح رجسٹرار کو مطلع کر کے درج کرائے گا۔

4۔ جو فرد ذیلی دفعہ 3 کے احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب پایا گیا وہ تین ماہ کی حد تک سزائے قید یا ایک ہزار روپے کی حد تک جرمانہ یا دونوں سزاؤں کا مستوجب ہوگا۔

5۔ نکاح نامہ کے فارم، نکاح رجسٹرار کے رکھنے والے ضروری رجسٹر، یونین کونسل کے محفوظ رکھے جانے والے جملہ ریکارڈ، شادیوں کی رجسٹریشن کا طریق کار اور نکاح ناموں کی نقول فریقین کو مہیا کی جائیں گی اور اس کے لئے مقررہ فیس بھی واجب الادا ہوگی۔

6۔ کوئی بھی شخص مقررہ اور مجوزہ فیس کی ادائیگی پر یونین کونسل کے دفتر میں ذیلی دفعہ 5 کے تحت محفوظ کیئے گئے ریکارڈ کا معائنہ کرسکتا ہے اور وہاں کیئے گئے اندراجات کی نقل حاصل کرسکتا ہے۔

دفعہ 6: تعداد ازواج (Polygamy)

1۔ پہلی بیوی کی موجودگی میں کوئی بھی مرد ثالثی کونسل کی پیشگی تحریری اجازت حاصل کئے بغیر دوسری شادی نہیں کر سکے گا۔اور نہ ہی اس قسم کی اجازت لئے بغیر کی گئی کوئی شادی اس آرڈیننس کے تحت رجسٹرڈ کی جائے گی۔

2۔ دوسری شادی کے لئے درخواست ذیلی دفعہ (1) کے تحت مقررہ طریقہ سے مقررہ فیس کی ادائیگی پر چیئرمین کو دی جائے گی۔جس میں مجوزہ شادی کی وجوہات بیان کی جائیں گی اور یہ بھی واضح کیا جائے گا کہ موجودہ بیوی یا بیویوں کی رضامندی (اجازت) حاصل کر لی گئی ہے۔

3۔ ذیلی دفعہ (2) کے تحت درخواست وصول ہونے پر چیئرمین درخواست دہندہ اور اس کی موجودہ بیوی یا بیویوں کو اپنے نمائندے نامزد کرنے کے لئے کہے گا اور اس طرح تشکیل شدہ ثالثی کونسل اگر مطمئن ہو کہ مجوزہ شادی ضروری اور بجا ہے تو کونسل ایسی شرائط کے تحت جو ضروری سمجھی جائیں، پیش کردہ درخواست کی اجازت کی منظوری دے دے گا۔

4۔ ثالثی کونسل درخواست پر فیصلہ صادر کرتے وقت اپنے جاری کردہ فیصلہ کے حق میں وجوہات کا اندراج کرے گی اور مقرر کردہ طریقے اور مقررہ مدت کے اندر، کوئی فریق مقررہ فیس ادا کرنے کے بعد نظر ثانی کے لئے مغربی پاکستان کی صورت میں متعلقہ کلکٹر اور مشرقی پاکستان کی صورت میں متعلقہ سب ڈویژنل افسر کو درخواست دائر کرسکتا ہے اور ان کا فیصلہ حتمی ہو گا۔جس کے لئے مزید کسی عدالتی کاروائی کی اجازت نہ ہوگی۔

5۔ کوئی بھی مرد جو ثالثی کونسل کی اجازت حاصل کئے بغیر دوسری شادی کرے گا۔

الف۔ تو وہ موجودہ بیوی یا بیویوں کو ان کا واجب الادا کل حق مہر معجّل یا غیر معجّل فوری طور پر ادا کرے گا جو اگر ادا نہ کیا جائے تو بطور بقایا جات مالیہ واجب الوصول ہوگا اور

ب۔ استغاثہ دائر ہونے پر ایک سال کی حد تک سزائے قید محض یا پانچ ہزار روپے کی حد تک جرمانہ یا دونوں

سزاؤں کا مستوجب ہوگا۔

دفعہ 7: طلاق (Divorce)

1۔ کوئی مرد جو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا خواہش مند ہو، طلاق کا کسی طریقہ سے اعلان کرنے کے بعد جتنی جلدی ممکن ہو سکے، چیرمین کو ایسا اقدام اٹھانے کی بابت بذریعہ تحریری نوٹس مطلع کرے گا اور اس کی ایک نقل بیوی کو بھی ارسال کرے گا۔

2۔ جو کوئی ذیلی دفعہ (1) کے احکام کی خلاف ورزی کرتا پایا گیا تو وہ ایک سال کی حد تک سزائے قید یا پانچ ہزار روپے جرمانہ یا دونوں سزاؤں کا مستوجب ہوا۔

3۔ سوائے اس صورت کہ جو ذیلی دفعہ (5) میں مذکور ہے اگر طلاق صاف صاف الفاظ میں یا بصورت دیگر پیشتر منسوخ نہ کر دی گئی ہو تو وہ موثر نہیں ہو سکے گی۔ جب تک ذیلی دفعہ (1) کے تحت چیرمین کو نوٹس وصول ہونے کے دن سے نوے یوم اختتام پذیر نہ ہو جائیں۔

4۔ ذیلی دفعہ (1) کے تحت نوٹس وصول ہونے کے تیس دنوں کے اندر اندر چیئر مین فریقین کے مابین مصالحت کرانے کے لئے تمام تر ضروری اقدام عمل میں لائے گی۔

5۔ طلاق کے وقت اگر بیوی حاملہ ہو تو طلاق اس وقت تک موثر نہیں ہوگی جب تک ذیلی دفعہ (3) میں مذکور مدت یا حمل جو بھی بعد میں ہو، اختتام پذیر نہ ہو جائے۔

6۔ کسی بیوی کے لئے جس کی شادی اس دفعہ کے تحت موثر طلاق کے ذریعہ سے اختتام پذیر ہو چکی ہو امر مانع نہیں ہوگا اگر وہ اسی خاوند سے، کسی دیگر شخص سے درمیانی شادی کئے بغیر، دوبارہ شادی کرے سوائے اس صورت کے کہ ایسا اختتام تیسری بار موثر ہوا ہو۔

دفعہ 8: طلاق کے علاوہ شادی کی تنسیخ

Dissolution of Marriage)

(otherwise than by Divorce

اگر حق طلاق باقاعدہ طور پر بیوی کو تفویض کیا جا چکا ہو اور وہ اپنے اس حق کو استعمال کرنا چاہے یا اگر شادی کے فریقین میں کوئی فریق طلاق کے علاوہ دیگر کسی طریقہ سے شادی کو منسوخ کرنے کا خواہش مند ہو تو دفعہ 7 کے احکام مناسب ردوبدل کے ساتھ جس حد تک لاگو ہو سکیں لاگو ہوں گے۔

دفعہ 9: نان نفقہ (Maintenance)

1۔ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو مناسب خرچہ نان ونفقہ دینے، یا ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں منصفانہ خرچہ نان ونفقہ دینے میں ناکام رہتا ہے تو بیوی، یا ساری بیویاں یا کوئی ایک بیوی دیگر قانونی چارہ جوئی کے ساتھ ساتھ چیرمین کو درخواست دے گی، جو کہ مسئلے کو جانچنے کے لئے ثالثی کونسل تشکیل دے گا جو کہ ایک سٹرفکیٹ کے ذریعے مرد کو ایک مخصوص رقم کی فراہمی کا پابند بنائے گا۔

(1 الف) اگر باپ اپنے بچے کی دیکھ بھال کرنے میں ناکام رہتا ہے، تو بچے کی ماں یا دادی/نانی دیگر قانونی چارہ جوئی کے ساتھ ساتھ چیرمین کو درخواست دے گی، جو کہ مسئلے کو جانچنے کے لئے ثالثی کونسل تشکیل دے گا جو کہ ایک سٹرفکیٹ کے ذریعے مرد کو بچے کی دیکھ بھال کی بابت ایک مخصوص رقم کی فراہمی کا پابند بنائے گا۔

2۔ کوئی مرد یا بیوی، مقررہ طریقہ کار اور وقت کے اندر اندر، اور مقررہ فیس کی ادائیگی کے ساتھ، سٹرفکیٹ میں تبدیلی بذریعہ کلکٹر کروا سکیں گے۔ اس کا فیصلہ حتمی ہوگا اور کسی عدالت میں اس پر سوال نہیں ہوگا۔

3۔ کوئی بھی رقم جو ذیلی دفعات (1) اور (2) کے تحت واجب الادا ہیں، اگر مقررہ وقت میں ادا نہیں کی جاتی تو وہ رقم زمین کے محصولات کے طور پر قابل واپسی تصور ہوں گی۔

(مزید معلومات اور مطالعہ کے لئے عائلی قوانین مجریہ 1961ء بمعہ عدالتی احکامات/تاثرات لف ہے)

حصہ سوئم: عورتوں کی جنسی ہراسانی - اقسام اور قوانین

جنسی ہراسانی کی مختلف اشکال: گھورنا، غلط تبصرے یا غیر مناسب لطیفے، چھیڑ چھاڑ، بغیر اجازت چھونا، زبردستی گلے لگانا یا چومنا، سیٹی بجانا، گانے گانا، عورت کا پیچھا کرنا، جنسی طور واضح اور غیر مناسب ای میلز یا ایس ایم ایس، ملنے باہر لے کر جانا اور نامناسب خواہشات کا اظہار کرنا، جنس پر مبنی توہین یا طعنہ زنی کرنا، اشارے کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

پاکستان پینل کوڈ (پی پی سی) کے مطابق عورتوں کو جنسی طور پر ہراساں کرنے پر سزائیں:

☆ **دفعہ 509 کے تحت** اگر کوئی شخص کسی عورت کی شائستگی کے بارے میں توہین کرتا ہے چاہے وہ اشاروں اور الفاظ کے ذریعے ہو تو اس کو 3 سال کی قید، یا جرمانہ، یا دونوں سزائیں ہو سکتی ہیں۔

☆ **دفعہ 496C کے تحت** اگر کوئی شخص کسی عورت پہ جھوٹا الزام لگاتا ہے تو اسے 5 سال قید اور جرمانے کی سزا ہو سکتی ہے۔

☆ **دفعہ 354A کے تحت** اگر کوئی شخص غیر مہذب یا فحش حرکت کرتا ہے جس میں گانا گانا اور فحش الفاظ کے ساتھ کوئی گانا سنانا شامل ہے۔ ایسے شخص کو 3 ماہ قید، یا جرمانہ یا دونوں سزائیں بھی دی جا سکتی ہیں۔

☆ **دفعہ 354A کے تحت** ہی اگر کوئی شخص کسی عورت پر حملہ کرتا ہے، اس کے خلاف طاقت کا استعمال کرتا ہے، یا لوگوں کے سامنے اس کے کپڑے پھاڑ دیتا ہے تو ایسے شخص کو سزائے موت یا عمر قید ہو سکتی ہے۔

☆ **دفعہ 366A کے تحت** اگر کوئی شخص 18 سال سے کم عمر لڑکی کو جنسی عمل لیے مجبور کرے گا اس پر 10 سال کی قید یا جرمانہ عائد کیا جائے گا۔

"عورتوں کو کام کرنے کی جگہوں پر ہراساں کیے جانے کے خلاف قانون 2010"

(بمطابق پاکستان پینل کوڈ 1860 کے ترمیمی سیکشن 509)

قانون کے مطابق جنسی طور پر ہراساں کرنے سے مراد ناخوشگوار جنسی تعلق، جنسی میلان کی استدعا کرنا یا کوئی زبانی یا تحریری مراسلت یا جنسی نوعیت کے عملی اقدام یا جنسی تذلیل جیسا رویہ مراد ہے جو کام کی انجام دہی میں مداخلت کا سبب بنے یا خوفناک، مخالفانہ یا جارحانہ ماحول پیدا کرے یا مذکورہ تقاضہ پورا نہ کرنے پر مستغیث کو سزا دینے کی کوشش کرنا یا ملازمت کو اس فعل سے مشروط کرنا ہے۔ یہ مقامات کار یعنی کام کرنے کی جگہ پر نا قابلِ قبول رویہ ہے اور اس میں وہ رابطے بھی شامل ہیں جو دفتری کام یا سرگرمی کے سلسلے میں دفتر سے باہر کیے جائیں۔

اگر کسی کارکن کو جنسی طور پر ہراساں کیے جانے کا کوئی واقعہ پیش آیا ہو تو ادارے کی انتظامیہ اس بات کو ترجیح دے گی کہ واقعے کی شکایت ادارے کے اندر ہی دائر کی جائے لیکن انتظامیہ اس بات کی ذمہ دار ہے کہ وہ اپنے کارکنوں کو اس بارے میں باخبر رکھے کہ ان کے پاس یہ راستہ بھی موجود ہے کہ وہ دفعہ 509 کے تحت پولیس سے رابطہ کر سکتے ہیں اور پولیس میں رپورٹ درج کرا سکتے ہیں۔

تاہم کارکنوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ 29 جنوری 2010 کو حکومت نے تعزیرات پاکستان کے سیکشن 509 میں ایک ترمیم کی منظوری دی ہے جس کے تحت نہ صرف کام کرنے کی جگہوں پر بلکہ ہر جگہ پر جنسی طور پر ہراساں کیے جانے کو جرم قرار دیا گیا ہے۔ اس جرم کی سزا پانچ لاکھ روپے تک **جرمانہ اور** تین سال تک کی قید یا بہ یک وقت دونوں ہو سکتی ہیں۔

عورتوں کو آن لائن ہراساں کرنے کے خلاف متعلقہ قانون:

اگر کسی عورت کو آن لائن ہراساں کیا جائے تو الیکٹرانک

جرائم کے تدارک کے لئے احکام وضع کرنے کا قانون کے تحت کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔ اس قانون کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں۔

نمبر	جرم	سزا
1	کسی بھی شخص کے موبائل فون، لیپ ٹاپ وغیرہ تک کی رسائی کی صورت میں	تین ماہ قید یا پچاس ہزار روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں
2	کسی بھی شخص کے ڈیٹا کو بغیر اجازت کاپی کرنے پر	چھ ماہ قید یا ایک لاکھ روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں
3	کسی بھی شخص کے ڈیٹا کو نقصان پہنچانے کی صورت میں	دو سال قید یا پانچ لاکھ روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں
4	کسی بھی شخص کی شناخت کو بلا اجازت استعمال کرنا	تین سال قید یا پچاس لاکھ روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں
5	کسی کی شہرت کے خلاف غلط معلومات پھیلانے پر	تین سال قید یا دس لاکھ روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں
6	کسی کی تصویر یا ویڈیوز پر عریاں تصاویر اور ویڈیوز آویزاں کرنا	پانچ سے سات سال قید یا پچاس لاکھ جرمانا یا دونوں سزائیں
7	بچوں کے ساتھ نا زیبا حرکات کی تصاویر یا ویڈیوز کو پھیلانا، بنانا یا کسی بھی ضمن میں تشہیر کرنا	سات سال قید یا پچاس لاکھ جرمانا یا دونوں سزائیں
8	آن لائن حراساں کرنا، بازاری یا نازیبا گفتگو کرنا	تین سال قید یا دس لاکھ روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں
9	اسپیمنگ کرنے پر	پہلی دفعہ پچاس ہزار روپے اور دوبارہ کرنے پر تین ماہ قید یا دس لاکھ روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں
10	اسپوفنگ کرنے پر	تین سال قید یا پچاس لاکھ روپے جرمانا یا دو٦نوں سزائیں

سیکشن (2) 22، سیکشن (3)21، سیکشن (2) 20 کے تحت متاثرہ شخص یا اس کا سرپرست، جہاں متاثرہ شخص کی عمر میں کم ہے، پی ٹی اے سے اپنے مواد/ معلومات تک رسائی کو ختم کرنے، روکنے یا تباہ کرنے کی درخواست کرسکتا ہے۔ پی ٹی اے فوری طور پر ایسی احکامات پر عملدرامد کرے گا۔

سائبر کرائم کے لئے قائم رسپانس سنٹر: وفاقی تحقیقاتی ایجنسی (FIA) نے NR3C کو ٹیکنالوجی پر مبنی جرائم کی روک تھام کے لئے ایک مینڈیٹ کے ساتھ تشکیل دیا تھا جو درج ذیل قسم کی شکایات کو دیکھتے ہیں؛

۱۔ ڈیجیٹل ڈیٹا تک غیر مجاز رسائی

۲۔ ای میل کی ہیکنگ یا سوشل میڈیا پر جعلی اکاؤنٹ کی تخلیق

۳۔ آن لائن فنڈز کی منتقلی یا دھوکہ دہی

۴۔ سوشل میڈیا پر نقلی اکاؤنٹ بنانا اور اس کی بدنامی کرنا۔

شکایت کا طریقہ کار: متاثرہ شخص NR3C پر آن لائن درخواست درج کروا سکتے ہیں یا اپنے علاقے میں سائبر کرائم زون میں براہ راست شکایت درج کر سکتے ہیں۔ کراچی، لاہور، پشاور اور کوئٹہ کے لیے سائبر زون NR3C کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔

http://www.nr3c.gov.pk

☆ اپنی شکایات درج کروانے کے لیے NR3C کی ویب سائٹ پر موجود فارم پُر کریں یا helpdesk@nr3c.gov.pk پتے پر ای میل کریں۔ اس کے علاوہ درخواست کنندہ اپنے علاقے میں سائبر کرائم زون جا کر متعلقہ افراد کو درخواست جمع کرواسکتے ہیں۔

☆ درخواست موصول ہونے پر ہیلپ ڈیسک 24 گھنٹے کے اندر جواب دے گا اور شکایت کنندہ کو مخصوص نمبر دے گا، اس کے بعد یہ مخصوص نمبر متعلقہ محکمہ کو کاروائی کے لئے ارسال کرے گا۔

☆ اگر شکایت کنندہ کا یہ تقاضا ہے کہ فیس بک پر جعلی پروفائل یا فحش مواد کی نشاندہی کی جائے تو اس کے لئے درخواست ویب سائٹ کے ذریعے بھی دی جا سکتی ہے تاہم اس طرح کی درخواست کا جوابی وقت، فیس بک کے جوابی وقت پر انحصار کرے گا۔

سزائے موت کے خاتمے کا مطالبہ

تربت میں منعقدہ 10 اکتوبر 2020 کے پروگرام کی تصویری جھلکیاں

سزائے موت کی مخالفت کے عالمی دن کے موقع پر ایچ آرسی پی ریجنل آفس تربت مکران کے زیرِ اہتمام ایک پروگرام منعقد ہوا، جو دو حصّوں پر مشتمل تھا، جن میں اجلاس اور مظاہرے شامل تھے۔ پروگرام میں کارکن خواتین وحضرات کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی۔ پروگرام کے پہلے حصّے میں ایک اجلاس منعقد کیا گیا جس میں کئی شرکاء نے اظہارِ خیال کیا، جن میں خان محمد جان، نواب شمبئے زئی، شریف شمبئے زئی، مزار رحیم، الثیاس سخی، گلزار دوست، بہار علی، ڈاکٹر سمی پرواز، امبر دلمراد، طارق بابل، علی چراگ، نور شاہ نور اور راقم الحروف غنی پرواز شامل تھے۔ شرکاء نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے بتایا کہ مختلف علوم کے ماہرین کے مطابق انسان قابلِ اصلاح ہوتا ہے۔ اور جرائم کا ارتکاب کرنے کے باوجود مناسب موقع ملنے پر اپنی اصلاح کر کے بہتر شہری بن سکتا ہے۔ اس لیے جرائم کے ارتقاب کی صورت میں اُسے سزائے موت دینے کی بجائے کوئی دوسری سزا دینی چاہیے اور اگر کوئی بڑی سزا دینا ضروری ہو تو سزائے موت کی جگہ عمر قید کی سزا دینی چاہیے۔ تاکہ وہ عمر قید کی سزا جو 14 سال کی ہوتی ہے کاٹنے کے بعد زندہ رہ کر بہتر شہری بننے کی کوشش کر سکے۔ اِسی فلسفے کی بنیاد پر اقوامِ متحدہ نے 2003 میں سزائے موت کی مخالفت کے عالمی دن کی منظوری دی اور 2003 ہی سے ہر سال دنیا بھر میں یہ دن منایا جاتا ہے۔ اقوامِ متحدہ کی طرف سے اس دن کی منظوری کے بعد مختلف ملکوں نے اس سلسلے میں کوششیں کی اور اس وقت دنیا کے ممالک میں صورت حال اس طرح ہے۔ دنیا کے 106 ممالک ایسے ہیں جہاں سزائے موت مکمل طور پر ختم کر دی گئی ہے۔ جن میں جرمنی، فرانس، اٹلی، سویڈن، ڈنمارک، ناروے، فن لیڈ اور ہالینڈ سمیت یورپی یونین کے 27 ممالک کے علاوہ برطانیہ، آسٹریلیا، کینڈا اور میکسیکو وغیرہ شامل ہیں۔ 56 ممالک ایسے ہیں جہاں ابھی تک سزائے موت برقرار ہے جن میں امریکہ، چین، جاپان، ہندوستان، پاکستان، افغانستان، سعودی عرب اور کئی دیگر ممالک شامل ہیں۔ 23 ممالک ایسے ہیں جہاں سزائے موت قانونی طور پر تو موجود ہے مگر اس پر عمل نہیں کیا جاتا ہے۔ جن میں روس، الجزائر، کینیا اور گھانا وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ 8 ممالک ایسے ہیں جہاں سزائے موت کو چھوٹے جرائم کے لئے ختم کر دیا گیا ہے۔ جن میں برازیل، چلی اور اسرائیل وغیرہ شامل ہیں۔ جہاں تک اقوام متحدہ کے تینوں (3) غیر ممبر ممالک کا تعلق ہے، اُن میں سے تائیوان میں سزائے موت قانونی طور پر بھی موجود ہے اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے۔ فلسطین میں سزائے موت موجود ہے مگر اِس پر عمل نہیں کیا جاتا۔ جبکہ ویٹیکن سٹی میں سزائے موت موجود ہے لیکن صرف پوپ کے قاتل کے لیئے یعنی اگر کوئی پوپ کو قتل کرے تو اُسے سزائے موت دی جاتی ہے لیکن کسی دوسرے کے لیئے سزائے موت نہیں ہے۔ اقوام متحدہ اور ایچ آر سی پی سمیت انسانی حقوق کی تمام تنظیمیں سزائے موت کے خلاف ہیں، اور اس کے خاتمے کیلئے کوششیں کر رہی ہیں اُن کی طرف سے زور دے کر یہ کہا جاتا ہے، کہ سزائے موت ہر صورت میں ختم ہونی چاہیے۔ تاکہ اس قسم کے مجرموں کو عمر قید کی سزا کاٹنے کے بعد زندہ رہنے کا موقع مل سکے اور وہ اپنی اصلاح کر کے بہتر شہری بن سکے اور اُن بہتر شہریوں میں سے ممکن ہے کہ بعض ایسے بھی نکلیں جو ملک و قوم اور دنیا وانسانیت کی خدمت کے لئے فعال کردار ادا کر سکیں۔ اجلاس کے آخر میں 3 قراردادیں منظور کی گئیں ہیں جن کا متن اسطرح ہے۔

(غنی پرواز)

سکول میں اساتذہ کی کمی

لوئردیر دیرلوئر کے سرکاری گرلز ہائی سکولوں میں سائنس مضامین پڑھانے والی زنانہ استانیوں کا قحط بے شمار گرلز ہائی سکولوں سائنس مضامین پڑھانے سہولیات عدم دستیابی کی وجہ سے سائنس مضامین کی خواہش مند ذہین اور ہونہار طالبات آرٹس مضامین پڑھانے پر مجبور ۔ باخبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ضلع دیرلوئر میں بیشتر زنانہ گورنمنٹ ہائی سکولوں میں سائنس مضامین پڑھانے کا انتظام نہیں جس سے ذہین اور باصلاحیت طالبات سائنس علوم کے حصول سے محروم ہیں، عوام اور والدین کا کہنا ہے کہ سائنسی علوم دور حاضر کی ضرورت ہے کیونکہ ایک طالبہ سائنسی علوم حاصل کر کے ڈاکٹر، نرس اور ٹیچرز بن سکتی نہ کہ آرٹس مضامین سے، عوامی حلقوں کا کہنا ہے کہ حکومت کی این ٹی ایس کے تحت ضلع دیرلوئر میں بے شمار ایم ایس سی اور بی ایس آنز کرنے والی قابل لڑکیاں پی ایس ٹی استانیاں بھرتی ہوکر پرائمری سکولوں میں جماعت اول اور دوم کو پڑھاتی ہیں۔ سائنس مضامین کی حامل ایم ایس سی اور بی ایس آنز استانیوں کو پروموشن دیکر انہیں گرلز ہائی سکولوں میں سائنس ٹیچرز تعینات کر کے علاقے میں سائنسی علوم کو فروغ دیا جائے۔ (نامہ نگار)

لڑکی کو مبینہ زیادتی کا نشانہ بنا ڈالا

نواب شاہ 15 اکتوبر کو ضلع بینظیر آباد کے علاقے جام صاحب ٹاؤن کے محلّہ میگھواڑ کی 15 سالہ لڑکی شریمتی شبنم میگھواڑ کو اغوا کرنے کے بعد زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ مبینہ زیادتی کے بعد ملزمان لڑکی شبنم میگھواڑ کو بیہوشی کی حالت میں پھینک کر فرار ہوگئے۔ پولیس کے مطابق مذکورہ واقعہ جام صاحب پولیس اسٹیشن کی حد میں رونما ہوا ہے اس سلسلے میں تفتیش جاری ہے۔ متاثرہ ہندو لڑکی کو طبی امداد کیلیے پی ایم سی ہسپتال منتقل کر دیا گیا ہے۔ (آصف البشر)

سکول زبوں حالی کا شکار

مورو مورو میں نواحی گاؤں پھلو قمبرانی کا پرائمری سکول گزشتہ 13 برسوں سے زبوں حالی کا شکار ہے جہاں پر سینکڑوں بچے تعلیم جیسے زیور سے محروم ہیں۔ علاقہ مکینوں نے سکول کی مرمت کروانے اور سکول کو فرنیچرز دینے کا مطالبہ کیا ہے۔ نواحی گاؤں پھلو قمبرانی میں ایک ہی بوائز اینڈ گرلز پرائمری سکول کی بلڈنگ کئی برسوں سے بھوت بنگلے کا منظر پیش کرنے لگی ہے۔ ایک طرف وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ کہتے ہیں کہ سندھ میں تعلیمی ایمرجنسی ہے جبکہ دوسری طرف سندھ کی دیہاتوں کے سکولوں میں اساتذہ ہی مقرر نہیں ہیں۔ نواحی گاؤں پھلو قمبرانی کے رہائشیوں ساجد قمبرانی اور سکندر قمبرانی سمیت دیگر نے سندھ حکومت سے مطالبہ کیا کہ ان کے گاؤں پھلو قمبرانی کے سکول کی بلڈنگ کی مرمت کروا کے سکول میں اساتذہ مقرر کئے جائیں تاکہ بچوں کا مستقبل تباہ ہونے سے بچ جائے۔

(الطاف سومرو)

اڑھائی سالہ بچی زیادتی کے بعد قتل

چارسدہ 7 اکتوبر کو شیخ کلے سے گزشتہ شام اغواء ہونے والی اڑھائی سالہ بچی کی نعش پشاور کے علاقہ جبہ کورونہ تھانہ داؤدزئی کی حدود سے برآمد ہوگئی ہے۔ اڑھائی سالہ زینب کو زیادتی کے بعد پیٹ پر چھری سے وار کر کے قتل کیا گیا۔ اڑھائی سالہ زینب دختر اختر منیر گھر کے سامنے بچوں کے ساتھ کھیل کود کے بعد لاپتہ ہوگئی۔ پولیس کو اطلاع ملنے پر ڈی پی او چارسدہ کی قیادت میں سرچ آپریشن کیا گیا مگر رات گئے تک بچی کا سراغ نہ مل سکا۔ گزشتہ روز تھانہ پڑانگ میں زینب کے والد اختر منیر نے نامعلوم اغواء کاروں کے خلاف 364 اے کے تحت بیٹی کے اغواء کا مقدمہ درج کرایا۔ سہ پہر ساڑھے چار بجے چارسدہ پولیس کو اطلاع ملی کہ بچی کی نعش تھانہ داؤدزئی پشاور کے علاقے جبہ کورونہ میں پڑی ہے، پولیس پڑانگ و چارسدہ موقع پر پہنچ گئی، تھانہ داؤدزئی پولیس کو بھی جائے وقوعہ پر طلب کیا، اس دوران ڈی آئی جی مردان شیر اکبر خان، ڈی پی او چارسدہ شعیب خان، کرائم سین ٹیم اور میڈیکل ٹیم بھی پہنچ گئی، معصوم زینب کو تیز دھار آلہ سے پیٹ پر وار کر کے قتل کیا گیا، لاش پوسٹ مارٹم کیلئے ایل آر ایچ ہسپتال پشاور منتقل کر دی گئی، کیس کی تفتیش تھانہ داؤدزئی پولیس کرے گی۔ نامعلوم اغواء کاروں کے خلاف قتل کا مقدمہ بھی درج کرلیا گیا۔ (روزنامہ ایکسپریس)

ہسپتال انتظامیہ کی غفلت، نوجوان ہلاک

سوات 6 اکتوبر کو سیدو ٹیچنگ ہسپتال انتظامیہ کی مبینہ غفلت کی وجہ سے نوجوان کے جاں بحق ہونے پر لواحقین سراپا احتجاج بن گئے، مظاہرین نے سیدو شریف مینگورہ روڈ کو ہر قسم کی ٹریفک کیلئے بند کر کے مظاہرہ کیا۔ محمد رحمان عمر 18 سالہ بحرین تو روال کا رہائشی موٹر سائیکل حادثے میں زخمی ہوا جبکہ اس کے ساتھ 13 سالہ مصطفیٰ بھی اس حادثے میں زخمی ہوا جنہیں سول ہسپتال لایا گیا جہاں انہیں سٹریچر فراہم نہیں کیا گیا، بروقت طبی امداد نہ ملنے سے محمد رحمان چل بسا، جس پر لواحقین نے شدید احتجاج کیا اور سڑک کو بلاک کر دیا۔

(نامہ نگار)

احمدیوں کو تحفظ دیا جائے

پشاور 20 ستمبر کو پشاور کے معروف علاقے دلگراں جو کے قصہ خوانی کے نزدیک ھے ایک احمدی گلزار احمد والد محمود احمد کو گولیاں مار کر شدید زخمی کر دیا۔ گلزار احمد کے بھائی معراج الدین کو 12 اگست کو پشاور کے علاقے ڈبگری گارڈن میں دشتگردوں نے گولیاں مار کر چھلنی کر دیا تھا اور وہ موقعہ پر ھی زخموں کی تاب نہ لاتے ھوئے وفات پا گے تھے۔ معراج الدین کا ڈبگری گارڈن میں میڈیسن کا کاروبار تھا۔ ڈبگری گارڈن میں مھذہبی انتہا پسندوں کے طرف سے احمدیوں کے خلاف نفرت انگیز پمفلٹ بینرز ھر طرف اویزاں تھے۔ معراج الدین اور ان کے بھائی گلزار احمد کے خلاف منظّم طریقہ سے ایک مہم جاری تھی اس نفرت انگیز مہم کی وجہ سے معراج الدین کی دکان پر کسی سیلزمین کو کام بھی نہی کرنے دیا جاتا تھا۔ سوشل میڈیا پر بھی ختم نبوت کے نام سے معراج الدین اور ان کے بھائی گلزار احمد کو قتل کرنے کی ایک منظّم مہم جاری تھی جس کے متعلق پولیس اور دیگر قانون نافذ کرنے والے اداروں کو بروقت اطلاع بھی دی گی تھی۔ معراج الدین کے قاتلوں اور گلزار احمد پر قاتلانہ حملہ کرنے والوں کے خلاف پولیس کی کارروائی ایف آئی آر کے اندراج تک ہی محدود ہے۔ 5 اکتوبر ایک احمدی پی ایچ ڈی پروفیسر جناب ناصر نعیم الدین خٹک صاحب کو دن دیہاڑے قتل کر دیا گیا جبکہ دوسری طرف پشاور کے علاقہ پھندو میں ایک احمدی بچے کی گلی میں ایک 15 سالہ بچے کے ساتھ تکرار پر گالی کے جواب میں بچے کو کہے گے الفاظ کو توہین رسالت قرار دے احمدی گھرانے کا گھیراؤ کیا گیا۔ پورے شہر میں امن امان کی صورت پیدا کی گی گھر کے اندر گھر میں موجود افراد کو گھر سمیت جلانے کی کوشش کی گی پولیس نے بڑی مشکل سے اس گھر کے افراد مذہبی جنونیوں کے چنگل سے نکالا۔ امن اامان کی صورت حال کو معمول پر لانے کے لیے ایک معصوم اور بے گناہ احمدی بچے پر پندرہ سالہ بچے کی مدیت میں توہین رسالت کا کیس درج کر کے بچے کو پابند سلاسل کر دیا گیا پولیس بچے کا پولیس ریمانڈ لے کر بچے کو تھانے کے علاوہ کسی نامعلوم عقوبت خانے میں رکھ کر مذہبی جنونیوں کی ایما پر بچے سے اقبال جرم کا مطالبہ کرتی رہی اور بچے پر زور دیا جاتا رہا کہ وہ عدالت میں جج صاحب کے سامنے توہین رسالت کرنے کا بیان ریکارڈ کروائے تاکہ جھوٹ پر مبنی کہانی کو کل عدالت میں ثابت کرنے سے بچا جاسکے۔ (نامہ نگار)

100 طالبات کیلئے صرف 2 استانیاں

مـــردان محکمہ تعلیم مردان (زنانہ) سرکل مردان خاص کے گورنمنٹ گرلز پرائمری سکول جانباز نرے میں بالا افسران کی ناقص کارکردگی کے باعث ادنیٰ سے پانچویں تک 110 طالبات کیلئے ہیڈ ٹیچر سمیت صرف دو استانیاں میسر ہیں جبکہ گرلز پرائمری سکول میں صرف دو کمرے ہیں جن میں نہ فرنیچر ہے، نہ طالبات کے بیٹھنے کیلئے ٹاٹ، سکول میں واش روم ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں اور بچیوں کے کھل کود کیلئے لگے آئٹم ناقص میٹریل کے باعث ناکارہ ہو چکے ہیں، پسماندہ دیہی علاقے کے اس سکول میں ادنیٰ، اول، اور دوئم کی طالبات بھیڑ بکریوں کی طرح ایک کمرے میں ہیں جبکہ سوئم، چہارم اور پنجم کی طالبات دوسرے کمرے میں ایک ساتھ ایک ٹیچر سے مختلف مضامین پڑھانے کی ناکام کوشش کر رہی ہیں، نیز فنڈز نہ ہونے کی وجہ سے سکول میں 110 بچیوں کیلئے کورونا سے بچاؤ کیلئے نہ تو ماسک دستیاب ہیں اور نہ ہی سینیٹائزر موجود ہیں جبکہ دونوں کلاس روموں میں تین تین کلاسوں کی بچیاں رہتی ہیں۔ ایس او پیز سے ہٹ کر ایک دوسرے کے ساتھ پیوست بیٹھنے پر مجبور ہیں جس کی وجہ سے کورونا وائرس پھیلنے کے خدشات پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں سکول کا مین گیٹ جگہ جگہ سے اکھڑ کر ٹوٹ چکا ہے جس کے باعث سکول سٹاف و طالبات کو سکیورٹی خدشات لاحق ہونے سمیت چوری کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔ مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے سکول کا صحن گھاس بھر گیا ہے۔ گھاس کے جنگل میں زہریلے حشرات الارض پائے جانے کی ڈر سے بچیاں کھیل کُود سے یکسر محروم ہوگئی ہیں۔ سکول میں طالبات کی زیادہ تعداد اور اُستانیوں کی قلت کی وجہ سے بچیوں کو تعلیم کے حصول میں شدید مشکلات کے باعث اکثریت والدین بچیوں کو یہاں سے نکالنے پر مجبور ہیں۔

(نامہ نگار)

پبلک ہیلتھ سکول کا دروازہ 8 بجے بند، طالبات سڑک پر کھڑی رہنے پر مجبور

پشـــاور پبلک ہیلتھ سکول نشتر آباد میں مرد پرنسپل کی تعیناتی نے سکول میں پڑھنے والی طالبات اور خواتین ٹیچرز کو مشکلات سے دوچار کر دیا ہے، پرنسپل کی جانب سے سکول میں داخلے کیلئے صبح 8 بجے کا وقت مقرر کیا گیا ہے جس میں ایک منٹ کی تاخیر پر بھی خواتین اور طالبات کو سکول میں داخلے کی اجازت نہیں دی جاتی اور ان کو گیٹ کے باہر سڑک ہی پر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے سیکرٹری صحت کو شکایت ارسال کر دی گئی ہے۔ ذرائع کے مطابق خیبر پختونخوا میں پبلک ہیلتھ سکولوں میں مرد اہلکاروں کی بطور پرنسپل تعیناتی پر پاکستان نرسنگ کونسل کی جانب سے اعتراضات بالائے طاق رکھتے ہوئے محکمہ صحت نے مرد پرنسپل تعینات کئے ہیں جس کی وجہ سے خواتین کو مشکلات کا سامنا ہے۔ نشتر آباد پشاور کے پبلک ہیلتھ سکول میں قواعد کے برعکس ایک مرد ڈاکٹر کو پرنسپل تعینات کیا گیا ہے جنہوں نے سکول میں داخلے کا 8 بجے صبح کا وقت مقرر کر کے گیٹ پر چوکیدار بٹھا دیئے ہیں اس حوالے ہیلتھ سیکرٹریٹ کو بھیجی گئی، شکایت کے مطابق مذکورہ پرنسپل کا خواتین اور طالبات کے ساتھ رویہ انتہائی ہتک آمیز ہے جس کی وجہ سے خواتین کو صبح 8 بجے سے ایک منٹ کی تاخیر پر بھی سکول میں داخلے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ ذرائع نے بتایا کہ مذکورہ افسر کو ہیلتھ ڈائریکٹوریٹ اور ضلع چارسدہ کے ہسپتال سے بھی نامناسب رویہ کی وجہ سے تبدیل کیا گیا تھا۔

(نامہ نگار)

ممکنہ نجکاری کے خلاف ہائیڈرو ورکرز یونین کی احتجاجی ریلی

حیدرآباد آل پاکستان واپڈا ہائیڈرو الیکٹرک ورکرز یونین کی جانب سے حیدرآباد میں محکمہ بجلی کی تقسیم کار کمپنیوں کی ممکنہ نجکاری کے خلاف لیبر ہال سے حیدرآباد پریس کلب تک احتجاجی ریلی نکالی گئی اور مظاہرہ کیا گیا جس کے شرکاء سرخ پرچم اور بینر اٹھائے ہوئے تھے جن پر مطالبات درج تھے۔ اس موقع پر یونین کے صدر عبداللطیف نظامانی نے کہا کہ حکومتِ وقت آج کے اس ملک گیر احتجاج کو نوشتہ دیوار سمجھے۔ ماضی کی دو حکومتوں نے محکمہ بجلی کی تقسیم کار کمپنیوں کی نجکاری پروگرام کو ہمارے ساتھ معاہدہ کر کے منسوخ کیا۔ مفادِ عامہ کے قومی ادارے اس ملک کے عوام کا سرمایہ ہیں۔ حکومت کی غلط حکمت عملیوں اور مہنگے معاہدوں کی وجہ سے بجلی کے بل غریب عوام کی دسترس سے باہر ہو گئے ہیں۔ ریلی میں یونین کے جنرل سکرٹری اقبال احمد خان، ملک سلطان علی، اعظم خان، عبدالمناف نظامانی اور دیگر قائدین بھی شریک تھے۔

(لالہ عبدالحلیم شیخ)

انصاف دیا جائے

مورو کچھ عرصہ پہلے سیپکو واپڈا مورو کی غفلت کی وجہ سے بجلی کی 11000 وولٹ کی تاریں گرنے سے کرنٹ لگنے کی وجہ سے جاں بحق ہونے والے ڈاڈو عرف گل حسن چوہان کے معصوم بچے فاقہ کشی کرنے پر مجبور ہیں۔ شروع میں بہت سے لوگوں نے ڈاڈو عرف گل حسن چوہان کے وارثوں کو انصاف دلوانے کے لئے وعدے کئے، مگر ان کے وارثوں کو ابھی تک کسی بھی قسم کا انصاف نہ دیا جا سکا۔ افسوس کی یہ بات ہے کے مسلسل احتجاج کے باوجود بھی ابھی تک ان کے ساتھ انصاف نہیں ہو سکا۔ صرف دلاسے ہی دلا سے مل رہے ہیں۔ مورو کے عوام چیف جسٹس آف سپریم کورٹ پاکستان، وزیر اعظم، چیئرمین واپڈا اور دیگر اعلیٰ حکام سے مطالبہ کرتی ہے کہ ڈاڈو عرف گل حسن چوہان کے وارثوں کے ساتھ انصاف کیا جائے۔

(الطاف سومرو)

تشدد کا نشانہ بنا کر گھر سے نکال دیا

حیدرآباد حیدرآباد کے علاقہ ہوسڑی کی رہائشی خاتون عمرا زادی بالادی نے اپنے بھائیوں کے مظالم کے خلاف اپنی ضعیف ماں کے ہمراہ حیدرآباد پریس کلب کے سامنے احتجاج کیا۔ اس موقع پر انہوں نے بتایا کہ ان کے بھائیوں اختر علی اور محمد حسین بالادی نے اسے اور اس کی ضعیف والدہ کو تشدد کا نشانہ بنا کر گھر سے نکال دیا، جس کے سبب وہ اور انکی والدہ ایک مہینے سے در در کی ٹھوکریں کھا رہی ہیں جبکہ مرحوم والد کی جانب سے چھوڑے گئے پلاٹوں پر بھی بھائی قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ایس ایس پی حیدرآباد سے اپیل کی کہ بھائیوں کی جانب سے پلاٹ پر قبضے کا نوٹس لے کر انہیں تحفظ اور انصاف فراہم کیا جائے۔

(لالہ عبدالحلیم شیخ)

خواجہ سراؤں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے

حیـــدرآبـــاد 16 اکتوبر کو ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی طرف سے خواجہ سراؤں کے حقوق کے لیے آگاہی پروگرام منعقدہ کیا گیا۔ ایچ آر سی پی حیدرآباد ریجن کی طرف سے خواجہ سراؤں کے حقوق کے لیے خواجہ سراؤں کا گروپ تشکیل دیتے ہوئے حکومت کی جانب سے ان کے حقوق اور تحفظ کیے لیے بنایا گیا ایکٹ 2020, کے بارے میں آگاہی دینے کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ پروگرام میں شریک خواجہ سراؤں کا کہنا تھا کہ سوسائٹی میں اُنہیں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ پرائیویٹ اسکولوں میں انہیں داخلہ نہیں دیا جاتا۔

(لالہ عبدالحلیم شیخ)

قبرستان پر غیر قانونی قبضہ

نوشکی قاضی آباد میں قبرستان کے لیے مختص اراضی پر لینڈ مافیا قبضہ کر رہی ہے۔ حلقے کے باشندوں نے قبرستان کی اراضی پر قبضہ کی مذمت کرتے ہوئے ضلعی انتظامیہ سے مطالبہ کیا ہے کہ قبرستان کی اراضی پر قبضہ کرنے والوں کے خلاف فوری کارروائی عمل میں لائی جائے اور قبرستان کے لیے مختص اراضی کو قبضہ ہونے سے بچانے کے لیے چاردیواری تعمیر کی جائے۔

(محمد سعید بلوچ)

تنخواہوں کی عدم ادائیگی کے خلاف احتجاج

حیدرآباد بلدیہ اعلیٰ حیدرآباد اسٹاف یونین (سی بی اے) کی جانب سے بلدیہ حیدرآباد کے ملازمین کو تنخواہوں کی عدم ادائیگی کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا گیا جس میں ملازمین کی بڑی تعداد نے شرکت کی جو انتظامیہ کے خلاف نعرے لگا رہے تھے اور تنخواہوں کی ادائیگی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس موقع پر اسٹاف یونین کے صدر غلام محمد قریشی, جنرل سکریٹری محمد اکرم راجپوت، سینیئر نائب صدر سید اسماعیل شاہ نے کہا کہ بلدیہ انتظامیہ نے رقم ہونے کے باوجود بلدیہ ملازمین کو تنخواہیں ادا نہیں کی جو سراسر زیادتی ہے۔ ایڈمنسٹریٹر نے 20 اکتوبر تک تنخواہ ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن انہوں نے وعدے کی پاسداری نہیں کی۔ غریب ملازمین کو تنخواہیں نہ دینا ان کا معاشی استحصال ہے جو ہم نہیں ہونے دینگے۔ اگر بلدیہ انتظامیہ نے اپنی روش نہیں بدلی تو احتجاج کا سلسلہ وسیع کر دیا جائے گا۔ بلدیہ ملازمین کے تمام مسائل فوری حل کئے جائیں۔ کنٹریکٹ ملازمین کو مستقل، تنخواہیں، گریجویٹی اور پنشن کے بقایا جات فوری ادا کیے جائیں۔

(لالہ عبدالحلیم شیخ)

غیرت کے نام پر مرد اور خاتون کا قتل

بنوں 6 اکتوبر کو بنوں کوثر فتح خیل میں غیرت کے نام پر ایک مرد اور خاتون کو قتل کر دیا گیا، تھانہ منڈان کی حدود میں واقع کوثر فتح خیل میں مبینہ ملزم خورشید زمان ولد بدیع الزمان ساکن کوثر فتح خیل نے اپنی بیوی 30 سالہ مسماۃ (ص) اور شاہ زیب ولد نور محمد ساکن تیمور شاہ بیتا خیل کو گھر کے اندر فائرنگ کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ مبینہ ملزمان ارتکابِ جرم کے بعد موقع واردات سے فرار ہو گئے۔ وجہ عداوت غیرت کے نام پر تنازعہ بتایا گیا ہے۔ مقتولین کی لاشیں پوسٹ مارٹم کیلئے ڈی ایچ کیو ہسپتال پہنچائی گئیں جہاں پر منڈان پولیس نے مقتولہ کے دیور اور ملزم کے بھائی تخی زمان کی رپورٹ پر مقدمہ درج کر کے مزید تفتیش شروع کر دی۔

(نامہ نگار)

ڈاکٹروں کی ہڑتال، او پی ڈی بھی بند

پشاور ایوب میڈیکل کمپلیکس ایبٹ آباد میں ڈاکٹروں کی ہڑتال جاری ہے اور دوسرے روز بھی ڈاکٹرز اور پیرا میڈیکس کی ہڑتال سے مریضوں کو شدید دشواری کا سامنا رہا، ڈاکٹروں نے ساتھیوں کی برطرفی اور بورڈ آف گورنرز کے رویئے کے خلاف او پی ڈی اور آپریشن تھیٹر بھی بند کر دیا۔ بورڈ آف گورنرز کی جانب سے ڈاکٹروں کی برطرفیوں کے خلاف احتجاج کیا جا رہا ہے۔

(روزنامہ آج)

لڑکے کو زیادتی کا نشانہ بنایا گیا

سانگھڑ ضلع سانگھڑ کے تعلقہ ٹنڈو آدم شہر کے جانیہ محلّہ کے رہائشی وقاص راجپوت محلے کے 14 سالہ لڑکے کو زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ لڑکے کے ورثا نے ٹنڈو آدم سٹی تھانہ پر این سی داخل کروائی۔ پولیس نے میڈیکل چیک اپ کے لیے تعلقہ اسپتال ٹنڈو آدم کے لیے لیٹر جاری کر دیا اور ملزم وقاص راجپوت کو گرفتار کر لیا۔

(ابراہیم خلجی)

عوام سہولیات سے محروم

خیبر باڑہ قمبر خیل بی ایچ یو اور قبیلہ کمرخیل میں سہولیات کا فقدان ہے۔ بچے کھلے آسمان تلے تعلیم حاصل کرنے پر مجبور ہیں۔ حکومت کی جانب سے سابقہ فاٹا کیلئے جو وعدے کئے گئے تھے وہ صرف اعلانات تک محدود ہیں۔ باڑہ قمبر خیل اور قبیلہ کمرخیل میں صحت کے مراکز میں سہولیات کا فقدان ہے۔ پچھلے کئی سالوں سے حکومت کی جانب سے کوئی سہولیات فراہم نہیں کی گئی ہیں صوبائی حکومت اپنے وعدوں کی پاسداری کر کے باڑہ کے ہسپتالوں میں سہولیات فراہم کرے۔

(نامہ نگار)

5 افراد کی خاتون سے اجتماعی زیادتی

ڈیرہ اسماعیل خان 21 اکتوبر کو نوکری کا جھانسہ دیکر خاتون کو پانچ افراد نے اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ خاتون کی رپورٹ پر ملزمان کے خلاف زیادتی کا مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔ پپلاں کلور کوٹ کی رہائشی خاتون نے تھانہ پہاڑ پور میں رپورٹ درج کراتے ہوئے پولیس کو بتایا کہ ملزمان عرفان، ممتاز سکنہ نون کلور کوٹ، اللہ نواز، اسلم عرف اسلمی قوم بھٹی، ناظم عظمت خان اور اشفاق سکنہ ٹانک مجھے اور میرے شوہر کو نوکری کے سلسلے میں مویشی فارم رمضان سیگڑا لے گئے اور وہاں پر انہوں نے میرے شوہر کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دیں اور میرے ساتھ زبردستی زیادتی کی۔

(نامہ نگار)

کتے کے کاٹنے کی ویکسین کی عدم دستیابی

مورو ضلع نوشہرو فیروز میں کتوں کے کاٹنے سے کئی لوگ زخمی ہو گئے۔ سول ہسپتال نوشہرو فیروز میں ہر روز کئی زخمی مریضوں کو لایا جا رہا ہے۔ اور زخمی ہونے والوں کو ویکسین نہ ملنے کی شکایات موصول ہو رہی ہیں۔ عوام کا کہنا تھا کہ وہ سول ہسپتال نوشہرو فیروز میں آتے ہیں مگر یہاں ویکسین نہ ملنے سے انہیں بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ وہ محکمہ صحت کے اعلیٰ حکام سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہسپتال میں ویکسین کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔

(الطاف سومرو)

عوامی نیشنل پارٹی کے صوبائی سیکرٹری کا اغواء

چمن عوامی نیشنل پارٹی کے صوبائی سیکرٹری اطلاعات اسد خان اچکزئی کو چمن سے کوئٹہ جاتے ہوئے نامعلوم افراد نے اغواء کر لیا۔ اسد خان اچکزئی اے این پی کے صوبائی صدر اصغر خان اچکزئی کے چچا زاد بھائی ہے۔ اسد خان گزشتہ روز پارٹی کے کوئٹہ میں جنرل کونسل اجلاس میں شرکت کیلئے آ رہے تھے، مگر چمن سے روانہ ہوئے تو راستے میں انہیں اپنی ذاتی گاڑی سمیت اغواء کر لیا گیا۔ پولیس نے مقدمہ درج کر لیا ہے۔ چمن بار کونسل نے بھی ایک دن کیلئے بائیکاٹ کا اعلان کیا۔ اور اعلیٰ حکام سے مطالبہ ہے کہ مغوی کو جلد از جلد بازیاب کرایا جائے۔

(محمد صدیق شمشاد)

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1
تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2
ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔
اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3
ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4
کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5
کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6
ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7
قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8
ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، بااختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9
کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10
ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11
(1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔
(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12
کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13
(1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔
(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14
(1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔
(2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15
(1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔
(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16
(1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔
(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔
(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17
(1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔
(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18
ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19
ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20
(1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔
(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ - 21
(۱) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔
(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔
(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22
معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشونما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23
(1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔
(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔
(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔
(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24
ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25
(1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہء قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔
(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26
(1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔
(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔
(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27
(1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔
(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں

دفعہ - 28
ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29
(1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشو ونما ممکن ہے۔
(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔
(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30
اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِ حق

Monthly JEHD-E-HAQ

رپورٹ HRCP کی ویب سائٹ پر بھی دیکھی جاسکتی ہے

www.hrcp-web.org

سالانہ رپورٹ انگریزی / اردو میں دستیاب ہے

اظہارِ لاتعلقی: براہِ مہربانی نوٹ کرلیں کہ فریڈرک نومان فاؤنڈیشن فار فریڈم (ایف این ایف) کا جہدِ حق کے متن سے مُتفق ہونا ضروری نہیں۔ لہٰذا، جہدِ حق میں شامل مواد و خیالات کی ذِمہ داری کسی طور پر بھی ایف این ایف پر عائد نہیں کی جاسکتی۔

اظہارِ تشکّر: جہدِ حق کی اشاعت کے لیے فریڈرک نومان فاؤنڈیشن فار فریڈم (ایف این ایف) نے مالی معاونت کی ہے جس کے لیے ایچ آر سی پی، ایف این ایف کا انتہائی مشکور ہے۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
”ایوان جمہور“ 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹائون، لاہور
فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15